خطباتِ عثمانی

5

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی
اشاعت اوّل	:	ستمبر ۲۰۱۳ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	:	عبدالماجد پراچہ
جلد	:	۵
قیمت	:	/۔ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر:

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی: 0313-9205497
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی ۱۴
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور

عرضِ مرتب

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو ہر میدان میں جو بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، حضرت والا مدظلہم کے ہفتہ واری دو بیانات ہوتے ہیں، ایک بیان جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال کراچی میں ہوتا ہے، دوسرا بیان اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہوتا ہے، سالہا سال سے ان بیانات کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے ۱۸ / جلدوں پر مشتمل ان بیانات کا پہلا مجموعہ آپ حضرات کے سامنے آچکا ہے۔

کچھ عرصہ سے حضرت والا مدظلہم نے جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، جو بہت مفید سلسلہ ہے، اس سے تمام طبقہ کے حضرات کو فائدہ ہو رہا ہے، بہت سے حضرات کی خواہش تھی کہ تفسیر کے اس سلسلے کو نمایاں طور پر شائع ہونا چاہئے، تاکہ اس سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے

ہوئے ''خطبات عثمانی'' کے نام سے دوسرے مجموعہ کا آغاز انہی تفسیری بیانات سے کیا جا رہا ہے، چونکہ ان تفسیری بیانات میں حضرت والا مدظلہم کے اسفار کی وجہ سے وقفات زیادہ ہوجاتے ہیں، اس لئے وقتی موضوعات اور دیگر موضوعات کے بیانات کو بھی ''خطبات عثمانی'' میں شامل کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، اور آخرت کی نجات اور علم دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد عبداللہ میمن

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

اجمالی فہرست

خطبات عثمانی　　جلد نمبر: ۵

عنوانات	صفحہ نمبر

(تفسیر سورۃ القارعۃ)

(تفسیر سورۃ عادیات)

(تفسیر سورۃ الزلزال)

تفصیلی فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر

(تفسیر سورۃ القارعۃ)

(۴) ''اخلاص''

(۵) اخلاص

(تفسیر سورۃ عادیات)

(۲) ناشکری کی پہلی قسم

(۳) ناشکری کی دوسری قسم

تفسیر سورۃ الزلزال

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

آخرت کی تیاری کریں

تفسیر سورۂ قارعۃ

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

اَلْقَارِعَۃُ۝۱ مَا الْقَارِعَۃُ۝۲ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ۝۳ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَاهِيَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا
الْعَظِيْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ
مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ قرآن کریم کی سورۃ القارعۃ ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اور یہ بھی پارہ عم کی ان سورتوں سے ہے جو اکثر مسلمانوں کو یاد بھی ہوتی ہیں، اور نمازوں میں بھی پڑھی جاتی ہیں، اس کی کچھ تفسیر و تشریح کرنا پیش نظر ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق اس کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دل دہلانے والی چیز

اس سورت کا نام ''سورۃ القارعۃ'' ہے، اور اس سورت کا آغاز بھی لفظ ''اَلْقَارِعَةُ'' سے ہوا ہے ''اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾'' سچی بات یہ ہے کہ اس لفظ ''اَلْقَارِعَةُ'' کا کوئی مناسب ترجمہ اردو زبان میں کرنا بڑا مشکل ہے، یہ لفظ قَرَعَ یَقْرَعُ سے نکلا ہے، جس کے لفظی معنی ہیں ''کھڑکھڑانا'' جیسے کسی دروازے پر دستک دی جائے تو اس کو بھی ''قَرَعَ'' کہتے ہیں، اگر کسی چیز کو جھنجوڑا جائے تو اس کو بھی ''قرع'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا ''اَلْقَارِعَةُ'' کا

کوئی قریب تر ترجمہ اردو میں ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ''دل دہلا دینے والی چیز'' ایسی چیز جو انسان کا دل دہلا دے۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ کھڑ کھڑا دینے والی چیز سے کیا ہے، یہ اس کا لفظی ترجمہ ہے، یعنی ایسی چیز جو لوگوں میں اور کائنات کے اندر ایک حرکت پیدا کردے۔ اور یہاں اس سے مراد ''قیامت'' ہے۔

اس سورت کا ترجمہ

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے، اور اس انداز سے فرمایا کہ ''اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾'' دل دہلا دینے چیز، وہ کیا ہے دل دہلا دینے والی چیز؟ ''وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾'' اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ دل دہلا دینے والی چیز کیا ہے؟ ابتداء میں قیامت کی عظمت اور اسکی خوفناکی کو بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ انداز بیان اختیار فرمایا ہے ''يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾'' یہ دل دہلانے دینے والا واقعہ اس دن پیش آئے گا جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے ''وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾'' اور پہاڑ ایسے ہوجائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی، جیسے دھنکی ہوئی روئی کے ریزے ریزے ہوا میں بکھر جاتے ہیں، تو یہ سارے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوجائیں گا ''فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾'' پھر اس دن جس کی ترازو بھاری ہوگئی وہ تو اپنی من پسند زندگی میں ہوگا، یعنی ایسی زندگی میں ہوگا جس میں وہ خوش ہوگا، اس کی طبیعت

اور خواہش کے مطابق وہ زندگی ہوگی ''وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾ '' اور جس کی ترازو ہلکی ہوگی تو اس کی ماں یعنی اس کا مرکز ایک بہر گہرا گھڑا ہوگا ''وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِیَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ '' اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھڑا کیا ہے ''نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾ '' وہ ایک دھکتی ہوئی آگ ہے۔ یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

قیامت کا تذکرہ

پارہ عم میں اور ۲۹ میں جو سورتیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں، ان میں قیامت اور آخرت کا بیان کثرت سے آیا ہے کہ قیامت کس طرح آئے گی؟ قیامت کے حالات کس طرح پیش آئیں گے، اور پھر آخرت کی زندگی میں جنت کیسی ہوگی؟ جہنم کیسی ہوگی؟ جنت میں کیا کیا نعمتیں ہوں گی؟ اور جہنم میں کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں ہوں گی؟ پارہ ۲۹ اور ۳۰ کی اکثر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور آخرت کا بیان فرمایا ہے، چنانچہ اس سورت میں بھی آخرت کا بیان ہے۔

آخرت کی فکر پیدا کرو

قیامت اور آخرت کے بارے میں مختلف عنوانات سے بار بار اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، بار بار بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قیامت اور آخرت کی فکر انسان کے دل و دماغ پر چھا جائے، اور اس پر انسان کا ایمان مضبوط ہو جائے، اور اس کی فکر دل میں پیدا ہو جائے۔ جیسے پچھلی سورۂ تکاثر کی تفسیر میں

عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں فرمایا کہ دنیا کی نعمتوں کی دوڑ نے تمہیں غافل کیا ہے، اور تمہاری صبح سے لے کر شام تک کی ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کی لذتوں اور دنیاوی مفادات کے لئے ہو رہی ہے، اور یہ خیال دل میں نہیں آتا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک اور زندگی آنے والی ہے، جو ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں اس ابدی زندگی کو یاد دلایا ہے، اور بار بار اس کا تذکرہ اس لئے کیا تاکہ انسان اس غفلت سے باز آجائے، اور دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ کر اپنے فیصلے نہ کرے، بلکہ یہ فکر دل میں رکھے کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، اس وقت مجھے اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

دنیاوی زندگی ختم ہونے والی ہے

دنیاوی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے تو بیشک اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے راحت و آرام کے بے شمار وسائل کو جائز اور حلال قرار دیا ہے، لیکن یہ پتہ نہیں کہ یہ زندگی کب ختم ہوجائے، کسی بھی انسان کے بارے میں کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا، کسی وقت بھی اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کرسکتی ہے، اور وہ آخرت کی زندگی میں پہنچ سکتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ بار بار انسان کو آخرت کی یاد دلا رہے ہیں، اور یہ آخرت کی فکر، قبر میں جانے کی فکر، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی فکر، جنت اور جہنم کے فیصلوں کی فکر، یہی وہ چیز ہے جو انسان کے دنیاوی اعمال کی بھی درست جہت متعین

کرتی ہے، اگر دل میں آخرت کی فکر نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس نہ ہو تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

پھر تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں

جانور بھی کھاتے ہیں، پیتے ہیں، انسان بھی کھاتے ہیں اور پیتے ہیں، جانور بھی سوتے اور جاگتے ہیں، انسان بھی سوتے اور جاگتے ہیں، جانور بھی پیدا ہوتے ہیں، اور مرتے ہیں، انسان بھی پیدا ہوتے ہیں، اور مرتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگی کا ہماری زندگی کے مقابلے میں کوئی بڑا مقصد نہیں ہے، جب جانور مریں گے، تو مرنے کے بعد ان سے کوئی سوال و جواب نہیں ہوگا، باز پرس نہیں ہوگی، نہ ان کے لئے جنت ہوگی، اور نہ ان کے لئے جہنم ہوگی، اب اگر انسان آخرت کو بھول جائے، مرنے کے بعد کی زندگی کو بھول جائے تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں، جس طرح جانور بے مقصد زندگی گزار رہا ہے، اسی طرح انسان بھی بے مقصد زندگی گزار رہا ہے۔

ہر کام سوچ سمجھ کر کرو

لیکن اگر انسان کے دل کے اندر آخرت کی فکر پیدا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا ہو جائے تو وہ انسان کے دل پر پہرہ بٹھاتا ہے، اور انسان کو متنبہ رکھتا ہے کہ تم جو کام کر رہے ہو، اس کو سوچ سمجھ کر کرو، دیکھ بھال کر کرو، کہیں یہ تمہاری آخرت کی زندگی کے لئے نقصان دہ

تو نہیں ہے؟ آج تم یہاں بیشک مزے اُڑالو گے، لیکن کل آخرت میں جب تمہاری زندگی کے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا تو اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟ اور اس وقت تمہارا کیا انجام ہوگا؟ یہ آخرت کی فکر ہی انسان کو جرائم سے بچاتی ہے۔

جرائم ہونے کا سبب کیا ہے؟

آج کی دنیا میں لوگوں نے اس بارے میں بڑے بڑے فلسفے پیش کئے ہیں کہ دنیا میں جرائم کیوں ہوتے ہیں؟ دنیا میں مظالم کیوں ہیں؟ بدعنوانیاں کیوں ہوتی ہیں؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ جرائم کا سبب تعلیم کی کمی ہوتی ہے، جہالت کی وجہ سے لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن اگر یہ بات درست ہوتی تو پھر جن معاشروں میں تعلیم سو فیصد ہے، وہاں سے جرائم کا نام و نشان مٹ جانا چاہیے تھا، وہاں پر کوئی جرم نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن دنیا کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جہاں سو فیصد تعلیم ہے، وہاں بھی جرائم کی شرح دوسرے ممالک کے مقابلے کچھ کم نہیں ہے، وہاں بھی جرائم ہو رہے ہیں، اور بڑی تعداد میں ہو رہے ہیں، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غربت جرائم کا سبب ہوتی ہے، جب آدمی غریب ہوتا ہے، پیسے پاس نہیں ہوتے تو اس کی وجہ سے جرائم کر کے اپنے لئے مالی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو پھر جس معاشرے میں غربت کا نام و نشان نہیں ہے، جہاں افراد کی فیصد آمدنی دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ ہے، وہاں پر جرائم نہیں ہونے چاہیے تھے، لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ وہاں

پر جرائم سب سے زیادہ ہو رہے ہیں، جہاں دولت کی ریل پیل ہے، جہاں غربت بظاہر مٹ چکی ہے، وہاں پر بھی جرم کی شرح بے انتہا ہوتی ہے۔

جرائم کا اصل سبب ’’آخرت سے غفلت‘‘

حقیقت میں بات یہ ہے کہ جرائم کی اصل وجہ نہ تعلیم کی کمی ہوتی ہے، اور نہ غربت ہوتی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جو اَن پڑھ ہیں، جاہل ہیں، لیکن وہ لوگ اَن پڑھ ہونے کے باجود، جاہل ہونے کے باوجود ہر طرح کے جرائم سے پاک ہیں، اور وہ لوگ کسی جرم کا تصور نہیں کر سکتے، بہت سے ایسے ہیں جو غریب ہیں، روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرتے ہیں، لیکن ان کے دلوں میں تقوی ہے، اللہ کا خوف ہے، جس کی وجہ سے وہ جرائم سے باز رہتے ہیں، لہٰذا جرائم کا اصل سبب نہ جہالت ہے، اور نہ غربت ہے، بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ وہ انسان اپنے اللہ کو بھول جاتا ہے، اصل سبب یہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کو فراموش کر دیتا ہے، اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ مجھے ایک دن دنیا سے جانا ہے، وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ بس یہ دنیا ہی دنیا ہے، اس کے منافع سمیٹ لو، جتنا سمیٹ سکتے ہو، مرنے کے بعد کی زندگی سے غافل ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں جرائم سرزد ہوتے ہیں، اگر دل میں خدا کا خوف ہو، اگر دل میں مرنے کے بعد کی زندگی کا احساس اور اس کی فکر ہو، تو کبھی انسان جرم پر آمادہ نہیں ہوسکتا، یہ وہ چیز ہے جو انسان کے دل پر پہرہ بٹھاتی ہے۔

ہمارے ملک کا حال

جب تک آخرت کی فکر دل پر سوار نہیں ہوتی، اس وقت تک تم چاہے کتنی پولیس بٹھالو، چاہے جتنے محکمے بنالو، چاہے جتنی عدالتیں قائم کرلو، لیکن جرائم ختم نہیں ہوسکتے۔ ہمارے ملک کا حال دیکھ لو، کیا یہاں پولیس کی کوئی کمی ہے؟ کیا یہاں محکموں کی کوئی کمی ہے؟ لیکن ہر محکمہ بدعنوانی کا شکار ہے، وہ پولیس جو جرائم کے روک تھام کے لئے تیار کی گئی تھی، وہ خود جرائم کے اندر ملوث ہے، اور جرائم کی پشت پناہی کرتی ہے، آج پولیس کی حفاظت میں یہ جرائم انجام دیے جارہے ہیں، اور آج ایک مستقل محکمہ انسداد رشوت ستانی قائم ہے، اس محکمہ کا کام یہ ہے کہ معاشرے سے رشوت بازاری کو ختم کرے، اس محکمہ پر ماہانہ کڑوڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں، کتنے افراد اس کے اندر ملازم ہیں، مگر کیا وہ محکمہ رشوت کا ایک پیسہ بھی کم کرسکا؟ بلکہ اس محکمہ کے نتیجے میں رشوت کے شرح میں اضافہ ہوگیا، یہ ساری تدبیریں تو اختیار کی جارہی ہیں، لیکن جرائم کا جو اصل سبب ہے، اور گناہوں کا، مظالم کا اور بدعنوانیوں کا جو اصل سبب ہے، وہ ہے ’’آخرت کو بھول جانا‘‘ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو بھول جانا، اس کی طرف توجہ نہیں، آج سارا ماحول ایسا بنا ہوا ہے جو انسان کو آخرت سے غافل کرنے والا ہے۔ آج تمام ذرائع ابلاغ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی چینلز وغیرہ یہ سب انسان کو آخرت سے غافل کرکے یہ سبق دے رہے ہیں کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، جو کچھ تمہیں دوڑ دھوپ کرنی ہے، وہ اسی کے لئے کرلو، اسی کے منافع سمیٹ لو، جتنے منافع

سمیٹ سکتے ہو، لیکن آخرت کی طرف توجہ دلانے والا کوئی جملہ بھی نہیں ہے۔

صحابہ کرام اور فکر آخرت

دوسری طرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھئے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی برکت سے آخرت کی ایسی فکر پیدا فرمادی تھی کہ جس کے نتیجے میں دنیا ان کے نزدیک بے حقیقت چیز تھی، یہ دنیا کی زندگی جس طرح بھی گزر جائے، اصل فکر یہ تھی کہ مرنے کے بعد جو ابدی زندگی آنے والی ہے، کسی طرح وہ زندگی خوشحال زندگی بن جائے، اللہ تعالیٰ کی رضامندی والی زندگی بن جائے، وہ من پسند زندگی بن جائے، اس کی فکر لگی تھی، جس کی بے شمار مثالیں صحابہ کرام کے حالات زندگی میں ملتی ہیں۔

قرآن کریم بار بار آخرت کو یاد دلاتا ہے

اسی وجہ سے قرآن کریم ان چھوٹی چھوٹی سورتوں میں بار بار مختلف انداز سے، مختلف الفاظ میں، مختلف اسالیب میں قیامت اور آخرت کو یاد دلا رہا ہے، اسی طرح اس سورت القارعۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کا دل دہلانے والا منظر پیش کیا کہ اس قیامت کا ایسا منظر ہوگا جو انسان کا دل دہلا کر رکھ دے گا، اور اس دن یہ حالت ہوگی کہ تمام انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی شکل میں ہوں گے، اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی شکل میں ہوں گے، یہ ہولناک منظر تمہیں یاد رکھنا چاہیے، اور تمہارے ترازو میں تمہارے اعمال رکھے جائیں گے،

اگر وہ اعمال وزنی ہوں گے تب تو تمہاری زندگی من پسند ہوگی۔ خدا نہ کرے اگر تمہارے اعمال ہلکے ہوں گے تو پھر تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اور وہ ایک دھکتی ہوئی آگ ہے۔ اس سورۃ القارعۃ میں قرآن کریم اسی کو یاد دلانا چاہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا فرمادیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

قیامت کا ہولناک منظر

تفسیر سورۂ قارعۃ

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْقَارِعَۃُ ۝۱ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۲ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۳ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۶﴾ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ
خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿۹﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ
مَاہِیَہۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴿۱۱﴾ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا
العظیم ، وصدق رسولہ النبی الکریم ، ونحن علٰی ذٰلک
من الشاھدین والشاکرین ، والحمد للہ رب العلمین ۔

آخرت کی فکر جرائم سے بچانے والی ہے

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ قرآن کریم کی سورۃ القارعۃ ہے جس کی ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اور گذشتہ سے پیوستہ جمعہ میں اس کی کچھ تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا، جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور آخرت کا تذکرہ فرمایا ہے، اور صرف اس سورت میں نہیں، بلکہ آخری پاروں کی بیشتر سورتوں میں بار بار اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے، قیامت کے مختلف مناظر بیان فرمائے ہیں، اور آخرت میں پیش آنے والے حالات کا ذکر فرمایا ہے، اور بار بار اس کا تذکرہ کرنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ بندہ دنیاوی زندگی میں مصروف اور مشغول ہو کر کہیں آخرت کو بھول نہ جائے، کیونکہ آخرت کی یاد ہی وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی کو استوار کرتی ہے، اس کو گناہوں سے، جرائم سے، بداخلاقیوں سے، بدعنوانیوں سے، ظلم وستم سے روکنے والی کوئی چیز اتنی مؤثر نہیں جتنی آخرت کی فکر مؤثر ہے، ساری دنیا میں جو جرائم ہو رہے ہیں، یا جو ناانصافیاں کی جارہی ہیں، وہ درحقیقت صرف اس لئے

ہو رہی ہیں کہ انسان یہ بھول چکا ہے کہ مجھے ایک دن اس دنیا سے جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں مختلف عنوانات سے، مختلف اسالیب سے، مختلف طریقوں سے ہمیں اور آپ کو قیامت اور آخرت کی یاد دلانا چاہتے ہیں۔

انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح

چنانچہ اس سورت کی ابتداء میں قیامت کو پہلے ''القارعۃ'' سے تعبیر فرمایا گیا، یعنی وہ چیز جو انسان کو دہشت زدہ کر دے گی، جو انسان پر ہول طاری کردے گی، پھر فرمایا کہ تمہیں کیا پتہ کہ وہ دہشت زدہ کرنے والی چیز کیا ہے؟ پھر اس کا تھوڑا سا منظر دو آیتوں میں بیان فرمایا :

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝۴

قیامت کا دن وہ ہوگا جس میں تمام انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے، یعنی دنیا میں جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بارش کے بعد پروانے اچانک نمودار ہوتے ہیں، لیکن ان میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی، بلکہ بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، کوئی اوپر کوئی نیچے، کوئی دائیں کوئی بائیں، اللہ تعالیٰ میدان حشر کا یہ منظر بتا رہے ہیں کہ میدان حشر میں بھی، اور جس وقت قیامت قائم ہوگی، اس وقت انسان اپنی حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو کر کسی کا رُخ کسی طرف ہوگا، اور کسی کا رُخ کسی طرف ہوگا، ان میں باہم ترتیب نہیں ہوگی، بلکہ بکھرے ہوئے پروانوں کی شکل میں ہوں گے۔

پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح

دوسری آیت میں فرمایا :

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵

اور یہ پہاڑ جو تمہیں بڑے سخت نظر آرہے ہیں، یہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ عِهْن ۔اصل میں دھنکی ہوئی روئی کو کہتے ہیں، روئی تو ویسے ہیں نرم ہوتی ہے، اور جب اس کو دھنک دیا جائے،تو اس کے ذرات فضاء میں بکھر جاتے ہیں،تو یہ سارے پہاڑ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نتیجے میں اس طرح بکھیر دیے جائیں گے جس طرح دھنکی ہوئی روئی ہوتی ہے۔

پہاڑ ہوا میں تیر رہے ہوں گے

عام طور پر پہاڑوں کو سختی سے تشبیہ دی جاتی ہے، یعنی اگر کوئی چیز بہت سخت ہوتو کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑ کی طرح ہے،کوئی آدمی اگر مصیبتوں کو برداشت کرنے والا ہوتو کہتے ہیں کہ یہ شخص استقامت کا پہاڑ ہے، لہٰذا پہاڑ سختی کی اور استقامت کی ایک علامت ہوتی ہے،لیکن پہاڑ جیسی سخت چیز بھی قیامت کی دن دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھر جائے گی، دوسری جگہ فرمایا:۔ وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ ۔یعنی آج تو تم ان پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو کہ یہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں، لیکن قیامت کے دن یہ پہاڑ اس طرح ہوا میں تیر رہے ہونگے جیسے بادل کے ٹکڑے فضا میں تیرتے ہیں۔

زمین چٹیل میدان بن جائے گی

ایک اور آیت میں فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ (طٰہٰ: ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷)

یعنی لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، ان کو بتادو کہ یہ پہاڑ اگرچہ اس وقت تو تمہیں بہت سخت نظر آرہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے ان کو پیدا فرمایا ہے، لیکن جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو پیس کر رکھ دے گا، یہاں تک کہ بالآخر یہ پہاڑ گرد و غبار کی طرح اُڑ کر اور دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھر کر زمین پر بیٹھ جائیں گے، اور پوری زمین ایک چٹیل میدان کی شکل میں ہوجائے گی، یہ منظر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا بیان فرمایا ہے۔

جنت کی نعمتیں

آگے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾

یعنی اس کے بعد یہ انجام ہوگا کہ جس کی ترازوئیں بھاری ہوجائیں گی، وہ من پسند زندگی گزارے گا، ایسی زندگی گزارے گا جس میں وہ جو چاہے گا، وہ اس کو ملے گا، جس چیز کی وہ خواہش کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ پوری کی

جائے گی، یعنی جنت میں اس کا مقام ہوگا، اور جنت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمتیں رکھی ہیں جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ

''وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ آج تک کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے اس کے بارے میں سنا نہیں، اور کسی دل پر اس کا خیال بھی نہیں گزرا'' ایسی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیار کر رکھی ہیں۔ اہل جنت کو جنت میں یہ کھلی آزادی دی جائے گی کہ وہ جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں، وہ جو چاہیں گے وہ پورا ہوگا۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ (حٰم سجدہ، آیت ۳۱)

یعنی وہاں تمہارے لئے ہر وہ چیز ہوگی جس کو تمہارا دل چاہے گا، اور تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جو تم مانگو گے۔

من پسند زندگی ہوگی

دنیا میں آج تک کسی بڑے سے بڑے سربراہ کو، کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو، کسی بڑے س بڑے سرمایہ دار کو یہ بات نصیب نہیں کہ جو چاہے ہو جائے، وہاں اللہ تعالیٰ اہل جنت کو یہ نعمت عطا فرمائیں گے کہ وہ جو چاہیں گے، وہ ہوگا، لہٰذا جس کی میزانیں اور ترازوئیں بھاری ہوں گی، تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ساری بات بیان فرمادی کہ

"رَاضِيَة" یعنی من پسند زندگی میں ہوگا، یعنی وہاں اس کو کوئی غم نہیں ہوگا، کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ (انعام، آیت ۴۸)۔ نہ ان پر آئندہ کبھی خوف ہوگا، اور نہ ماضی کا کوئی غم ہوگا، بلکہ خوشی ہی خوشی کا عالم ہوگا، مسرت ہی مسرت کا عالم ہوگا، اور وہ جو چاہیں گے، وہ ہوا کرے گا۔

دنیا کی کوئی خوشی کامل نہیں

آپ دنیا میں ذرا دیکھئے! یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اس دنیا میں کوئی خوشی خالص نہیں، اور کوئی خوشی کامل نہیں، بیشک خوشیاں آتی ہیں، لیکن ہر خوشی کے ساتھ کوئی نہ کوئی غم کا کانٹا لگا ہوا ہوتا ہے، فرض کریں کہ آپ کھانا کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھے ہیں، اور دستر خوان پر اعلیٰ ترین نعمتیں آپ کے سامنے چنی ہوئی ہیں، لذیذ کھانے موجود ہیں، کھانے کو بھی جی چاہ رہا ہے، اور کھانا شروع کر دیا، لیکن دل میں یہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں لذت کی وجہ سے زیادہ کھالوں تو کہیں بدہضمی نہ ہوجائے، اور بدہضمی کے نتیجے میں بیمار پڑجاؤں، بہت سی غذائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے بارے میں ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ نقصان نہ دے جائیں، فلاں غذا فلاں بیماری پیدا کرسکتی ہے، فلاں غذا فلاں بیماری پیدا کرسکتی ہے، کم از کم یہ کھٹکا تو ہر انسان کو لگا رہتا ہے کہ وہ جب کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو ایک حد پر پہنچنے کے بعد دل چاہ رہا ہے کہ اور کھالوں، لیکن اندیشہ ہے کہ مزید کھاؤں گا تو کہیں بدہضمی نہ ہوجائے۔

ہر خوشی میں غم کا کانٹا بھی ہے

غرض کوئی خوشی اس دنیا میں کامل نہیں، کوئی راحت کامل نہیں، ہر ایک راحت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف، کوئی نہ کوئی اندیشہ لگا ہوا ہے، آپ کسی بھی بڑے سے بڑے نعمتوں میں رہنے والے انسان کو دیکھ لیں، ایسا نہیں ہے کہ اس کو کبھی کوئی غم پیش نہ آیا ہو، کبھی کوئی تکلیف پیش نہ آئی ہو، بلکہ ہر خوشی کے ساتھ کوئی نہ کوئی اندیشہ، کوئی نہ کوئی غم، کوئی نہ کوئی رنج لگا ہوا ہے، اور خوشی کامل بھی نہیں، اس لئے کہ کامل خوشی تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے محفوظ رکھی ہے، یہاں ہر خوشی ایک حد تک ہے، یہاں کی راحت ایک حد تک ہے، اس حد پر جا کر وہ رُک جاتی ہے۔

جنت میں خوشی کامل ہوگی

لہٰذا اس دنیا میں کسی انسان کی زندگی کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ من پسند زندگی ہے کہ جو دل میں آرہا ہے، وہ اس کو مل رہا ہے، لیکن جنت کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جن کی ترازوئیں بھاری ہو جائیں گی، وہ من پسند زندگی میں ہوں گے، ان کی خوشی بھی کامل، ان کی راحت بھی کامل، اور ان کا ہر عمل ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ -- نہ ان پر کوئی خوف ہوگا، نہ ان پر کوئی غم ہوگا، یہ بات جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے، کہیں اور اس سے پہلے نہیں مل سکتی۔

اس کا ٹھکانہ جہنم کا گھڑا ہے

آگے فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

لیکن جس کی ترازوئیں ہلکی پڑ گئیں تو اس کا ٹھکانہ ایک گھڑا ہوگا، اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ گھڑا کیا ہے؟ وہ گھڑا مجسم بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ یعنی اگر اعمال کے وزن کے نتیجے میں کسی کے اعمال ہلکے پڑ گئے اور ترازو میں نیکیوں والا پلہ ہلکا پڑ گیا، اور برائیوں والا پلہ بھاری پڑ گیا، تو پھر بڑی خطرناک بات ہے، اور اس کا ٹھکانہ ''هَاوِيَةٌ'' ہے۔ هَاوِيَةٌ۔ کے معنی ہیں گھڑا، اور آگے اس کی تشریح فرمادی کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جس میں اس کو داخل ہونا ہوگا۔

جہنم سراپا تکلیف ہی تکلیف ہے

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دنیا میں کوئی خوشی کامل نہیں، کوئی خوشی پائیدار نہیں، اسی طرح دنیا کا کوئی غم اور دنیا کی کوئی تکلیف بھی پائیدار نہیں، کامل نہیں، بلکہ ہر غم بھی ناقص اور ادھورا ہے، اس غم کے ساتھ آدمی کو راحت بھی مل جاتی ہے، لیکن جہنم کا ایسا عالم اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے کہ جس میں خوشی کا کوئی گزر نہیں، آرام کا کوئی گزر نہیں، وہ سراپا تکلیف ہی تکلیف ہے، اور عذاب ہی عذاب ہے، اور پریشانی ہی پریشانی ہے۔ اللہ بچائے۔ ہم لوگ بعض اوقات اس دنیا

میں جب کسی تکلیف کا شکار ہوتے ہیں، کوئی بیماری آگئی، کہیں درد ہوگیا، کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اسی کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں، لیکن اگر غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اس تکلیف کے وقت بھی کتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی موجود ہوتی ہیں، تکلیف اور درد ہے تو علاج کے لئے طبیب موجود ہے، دوائیں موجود ہیں، تسلی دینے والے ہیں، گھر والے ہیں، احباب ہیں۔اللہ بچائے۔جہنم میں جو تکلیف ہے، وہ تکلیف ہی تکلیف ہے، اس کے ساتھ راحت نہیں ہوگی، اس تکلیف کا کوئی علاج نہیں ہوگا، اس کی کوئی دوا نہیں ہوگی، وہاں کوئی تسلی دینے والا نہیں ہوگا، وہاں کوئی تیمار داری کرنے والا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔آمین

اعمال کی ترازوئیں ہلکی ہیں یا بھاری

قرآن کریم فرما رہا ہے کہ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ جس ترازو میں تمہارے اعمال تولے جائیں گے، وہ ترازوئیں ہلکی ہیں، یا بھاری ہیں، یعنی تمہاری نیکیاں بڑھی ہوئی ہیں، اور برائیاں کم ہیں، تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ان برائیوں کی وجہ سے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑے، لیکن بالآخر جنت میں پہنچ جاؤ گے، لیکن خدا نہ کرے اگر گناہوں کا پلہ بھاری ہوگیا، اور نیکیوں کا پلہ ہلکا پڑ گیا تو پھر اس کا انجام خطرناک ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں بیان فرمایا۔

موت کو مت بھولو

بہر حال؛اس پوری سورت میں اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اے انسانو! تم بیشک اس دنیا کے اندر زندگی گزار رہے ہو، صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، اور اسی صبح و شام کی زندگی میں منہمک ہو کر تم غفلت میں وقت گزار دیتے ہو، اور کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ پتہ نہیں یہ زندگی کب تک کی ہے، اور کب یہ زندگی ختم ہو جائے، اور بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند ہو جائیں، بیٹھے بیٹھے آدمی دنیا سے رخصت ہو جائے، اس بات کو مت بھولو کہ موت آنے والی ہے، اور قیامت آنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہونی ہے، تمہارے اعمال کا وزن ہونا ہے، اور اس ابدی زندگی کا سارا دارو مدار اس پر ہے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیسا ہے؟ بھاری ہے، یا ہلکا ہے؟ اسی بات کو یاد دلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت نازل فرمائی ہے۔

ترازوؤں کو بھاری کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہاری ترازوئیں بھاری ہوں گی تو من پسند زندگی حاصل ہوگی، اور اگر ترازوئیں ہلکی پڑ جائیں گی تو جہنم کا گھڑا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ترازوئیں کیا چیز ہیں؟ اور ان ترازوؤں کو بھاری کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور ان کے ہلکے پڑنے سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہے؟ یہ ہے اصل مقصود اور سمجھنے کی بات، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی

توفیق عطا فرمائے۔آمین

دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ ہم نے اس دنیا کو جو پیدا فرمایا ہے، اس میں نیکیاں بھی ہورہی ہیں، اور بدیاں بھی ہورہی ہیں، بہت سے لوگ دوسروں پر ظلم بھی کررہے ہیں، ناانصافیاں بھی کررہے ہیں، بہت سے مظلوم بھی ہیں، اگر انسان کے اندر ذرا بھی عقل ہو تو وہ اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا پیدا کی ہے، اور اس دنیا میں ہر طرح کے اچھے اور برے لوگ موجود ہیں، بہت سے نیک لوگ ہیں جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، کسی کے لئے کسی پریشانی کا سبب نہیں بنتے، کسی کی دل آزاری نہیں کرتے، کسی کو دُکھ نہیں دیتے، جبکہ بہت سے لوگ وہ ہیں جو ظالم ہیں، اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، ناانصافیاں کرتے ہیں، اور ان کا حق مارتے ہیں، دوسروں کی جان، مال، عزت اور آبرو پر حملہ کرتے ہیں، اگر یہ سارا قصہ اس دنیا میں ختم ہوجانا ہے، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بیکار ہی پیدا کردی ہے، اور اس میں کسی ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کا کوئی راستہ نہیں، نیک آدمی کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، اور برے آدمی کو اس کی برائی کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔

ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا نہیں کیا

یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت سے بعید ہے کہ وہ دنیا تو پیدا

کرے لیکن کوئی ایسا جہاں پیدا نہ کرے جہاں انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے، اسی بات کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ (المؤمنون:۱۱۵)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں ویسے ہی بے فائدہ پیدا کر دیا ہے، اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے'' یعنی قیامت کا انکار کر کے، آخرت کا انکار کر کے، اور آخرت کو بھلا کر درحقیقت تم اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کر رہے ہو کہ دنیا میں چاہے جو کچھ بھی ہوتا رہے، ظالم ظلم کرتا رہے، مظلوم ظلم سہتا رہے، آخرت میں ان کو کوئی بدلہ ملنے والا نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا، ارے ہم نے تمہیں ویسے ہی بے فائدہ پیدا کر دیا ہے......؟

یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ الم سجدہ میں فرمایا کہ:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

(الم سجدہ:۱۸)

کیا جو شخص مؤمن ہے، اور مؤمن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتا ہے، اور اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر بھی ایمان رکھتا ہے، اور اس پر عمل بھی کرتا ہے، تو کیا وہ مؤمن اور فاسق جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اور جب برابر نہیں

ہو سکتے تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی پر معاملہ ختم کردے، اور اس کے بعد کوئی جہاں ایسا نہ آئے، جہاں مؤمن کو اس کا صلہ دیا جائے، اور فاسق کو اس کی بدکاری کی سزا دی جائے، یہ تو ہونا ہے۔ ذرا سی عقل رکھنے والا انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ ایک ایسا جہان آنے والا ہے۔

انصاف کرنے والی ترازوئیں

اور جب وہ جہان آئے گا تو اس وقت ظاہر ہے کہ فیصلہ انسانوں کے اعمال پر ہوگا، تو اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الانبیآء ۲۱ : ۴۷)

''قیامت کے دن یعنی آخرت میں ہم انصاف کرنے والی ترازوئیں رکھیں گے'' یہ جتنے بھی اعمال ہم دنیا میں کر رہے ہیں، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہم نے ایک عمل کیا، اور وہ ہوا میں اُڑ گیا، لیکن حقیقت میں یہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہو رہے ہیں، اور ان سب اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ایک وزن عطا فرمایا ہے، کسی عمل کا وزن ہلکا ہے، کسی عمل کا وزن بھاری ہے، اور ان اعمال کو آخرت میں وزن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی ترازوئیں قائم کریں گے جن کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ان ترازوؤں کے ذریعہ ان اعمال کو تولا جائے گا۔

اعمال کا وزن کس طرح ہوگا

بعض لوگ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ اعمال تو کوئی وزن کرنے کی

چیز نہیں ہیں، اس چیز کا وزن کیا جا سکتا ہے، جس کا کوئی جسم ہو، اعمال کا تو کوئی جسم نہیں، بلکہ یہ عرض ہیں...... پہلے زمانے میں لوگ یہ اعتراض کیا کرتے تھے، اور اس کے نتیجے میں لوگ وزن اعمال کو ثابت کرنے کے لئے تاویلات بھی کیا کرتے تھے، لیکن آج کی سائنس نے ہمیں دکھا دیا کہ آج حرارت تولی جا رہی ہے کہ اس وقت حرارت کتنی ڈگری ہے، حالانکہ حرارت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا جسم ہو، اور اس کو ترازو میں تولا جائے، لیکن آج انسان نے حرارت تولنے کا طریقہ نکال لیا۔ آج آواز تولی جا رہی ہے، اس کے لئے آلات ایجاد ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جب انسان اپنی چھوٹی سی عقل کے ذریعہ ان چیزوں کو تولنے کا طریقہ نکال سکتا ہے تو وہ خالق کائنات جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور انسان کے اعمال کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، کیا وہ ان اعمال کے تولنے کا طریقہ نہیں نکال سکتا؟ اللہ تعالیٰ نے اعمال کو تولنے کا پورا نظام رکھا ہے، جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الأنبياء:۴۷)

''یعنی قیامت کے دن ہم انصاف قائم کرنے کے لئے ترازوئیں رکھیں گے''

انصاف ہوتا ہوا نظر آئے

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون سے عمل میں کتنا وزن ہے، اللہ تعالیٰ خود اپنے علم کی بنیاد پر بھی انسان کو سزا دے سکتے تھے، اور جزا بھی دے

سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو انصاف ہوتا ہوا نظر آنا چاہیے، اس لئے کہ انصاف کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ انصاف ہوتا نظر آنا چاہئے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انصاف کی ترازوئیں قائم فرمائیں، تاکہ ساری مخلوق کو پتہ چل جائے کہ کس شخص کا عمل کس درجے کا ہے، اور کون کتنے پانی میں ہے، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے وزن اعمال کا نظام قائم فرمایا ہے۔

دوسرا سوال

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان اعمال میں وزن کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے؟ اور کس طرح اپنی ترازوؤں کو بھاری بنایا جاسکتا ہے؟ یہ موضوع تھوڑی تفصیل چاہتا ہے، اور اب وقت ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو انشاء اللہ اگلے بیان میں اس کو عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سنت کے مطابق عمل کیجئے

تفسیر سورۂ قارعۃ

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْقَارِعَۃُ ۝۱ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۲ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۳ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

مَوَازِیْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَاهِیَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ۧ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا
الْعَظِیْمِ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ
مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَ الشَّاكِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سورۂ قارعہ ہے، جس کا بیان عید الاضحیٰ سے پہلے شروع کیا تھا، اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولنا کی کا منظر کھینچا ہے، اور اس ہولناک منظر سے انسان کو جو سبق لینا چاہیے، آخر میں اس کو بیان فرمایا ہے، وہ سبق مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ
رَّاضِیَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ
هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِیَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ۧ﴿۱۱﴾

یعنی جس کی ترازوئیں بھاری ہوگئیں وہ تو من پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کی ترازوئیں ہلکی پڑ گئیں تو اس کا ٹھکانہ ایک بہت بڑا گھڑا ہوگا، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، یعنی جہنم کی آگ ہے۔

اپنے اعمال میں وزن پیدا کریں

اس سورت میں جو سبق دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے اعمال

میں وزن پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ہر انسان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ اس کے اعمال میں وزن پیدا ہو، اوراس کے نتیجے میں اسے آخرت میں من پسند زندگی گزارنے کا موقع ملے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے مطابق اورخود اپنی پسند کے مطابق وہاں کی زندگی آرام وراحت کی اورچین وسکون کی زندگی ہو۔

اعمال میں وزن کی تین شرطیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص کے اعمال گنتی میں زیادہ ہوں گے، بلکہ یہ فرمایا کہ جس کے اعمال وزن دار ہونگے، اس شخص کی زندگی من پسند ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ اعمال میں وزن کس طرح ہوتا ہے؟ اسکی تھوڑی سی تشریح پچھلی مرتبہ عرض کی تھی، آج اسکو تفصیل سے عرض کرتا ہوں کہ اعمال میں جو وزن پیدا ہوتا ہے وہ تین چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، یہ تین لازمی شرطیں ہیں، جن سے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے، ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو اعمال میں کوئی وزن نہیں ہوگا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عمل کیوں نہ ہو۔

پہلی شرط ''ایمان''

پہلی شرط ہے ''ایمان'' ......ایمان کے بغیر کوئی عمل آخرت میں وزن دار نہیں ہوگا، جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اگر کوئی شخص کافر ہے، اور کافر بھی بعض اوقات کچھ اچھے کام کرتے ہیں، مثلاً غریبوں کی مدد کردیتے ہیں، انسانوں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کردیتے ہیں، ان کے اچھے اعمال کا بدلہ ان کو

دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں دنیا ہی کے اندر ان کو اچھی زندگی میسر آجاتی ہے، لیکن آخرت میں ان کے وہ اعمال وزن دار نہیں ہوں گے، کیونکہ وزن پیدا ہونے کے لئے لازمی شرط ''ایمان'' تھی، وہ ایمان موجود نہیں تو پھر اس عمل میں کوئی وزن نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم نے سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ (الفرقان:٢٣)

''یعنی انہوں نے دنیا میں جو عمل کئے تھے، ہم ان کے اعمال کی طرف آئیں گے تو ان کے اعمال بکھرے ہوئے گرد وغبار کی طرح بنادیں گے'' جیسے گرد وغبار کا کوئی وزن نہیں ہوتا، اسی طرح ان کے اعمال کا بھی کوئی وزن نہیں ہوگا۔ لہٰذا اعمال میں وزن پیدا ہونے کی پہلی شرط ''ایمان'' ہے۔

دوسری شرط ''صدق'' ہے

دوسری شرط ''صدق'' ہے، یعنی جو عمل بھی انسان کر رہا ہے، وہ عمل شریعت کے اور سنت کے مطابق ہو، جو عمل شریعت اور سنت کے مطابق ہوگا تو اس عمل میں وزن ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا عمل کر رہا ہے جو بظاہر دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کر رہا ہے، لیکن وہ عمل شریعت اور سنت کے دائرے میں نہیں ہے، شریعت اور سنت کے مطابق وہ عمل نہیں ہے، تو اس عمل میں وزن نہیں ہوگا۔

صدق کی ایک مثال

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص نماز پڑھے، اب نماز پڑھنا ایک اچھا عمل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور دین اسلام کا ایک ستون ہے، اور یہ ایسا عمل ہے جو اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہے، لیکن وہ شخص اس نماز کو سنت کے مطابق نہیں پڑھتا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقے سے نماز پڑھی، وہ شخص اس طریقے سے نماز نہیں پڑھتا، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ

''یعنی نماز اسی طریقے سے پڑھو، جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے'' چونکہ سنت سے دور ہو گیا، تو وہ نماز پڑھنا اگرچہ اچھا عمل تھا، لیکن اس عمل میں کوئی وزن پیدا نہیں ہوگا۔

ایک دیہاتی کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک اعرابی اور دیہاتی صحابی مسجد میں آئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے انہوں نے دور ہٹ کر دو رکعت نماز پڑھی، لیکن اس طرح پڑھی کہ جب قیام سے رکوع میں گئے تو رکوع میں پوری طرح کمر سیدھی نہیں کی، بلکہ ذرا جھک کر پھر فوراً کھڑے

ہو گئے، اور ابھی اطمینان سے کھڑے بھی نہیں ہوئے تھے کہ فوراً سجدے میں چلے گئے، اور سجدے میں ابھی پیشانی ٹیکی نہیں تھی کہ فوراً سجدے سے اُٹھ گئے، گویا کہ جلدی جلدی نماز پڑھی۔ اور نماز کا جو مسنون اور واجب طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ جب آدمی رکوع میں جائے تو رکوع میں اتنی دیر ٹھہرے کہ کمر بالکل سیدھی ہو جائے، یہ نہیں کہ ذرا سا جھکنے کا اشارہ کر دیا، اور پھر کھڑا ہو گیا، اسی طرح رکوع سے جب کھڑا ہو تو کمر سیدھی ہو جائے، پھر جب سجدے میں جائے تو سجدہ اس طرح کرے کہ اطمینان حاصل ہو جائے، اور تمام اعضاء اپنی جگہ پر پہنچ جائیں، پھر کھڑا ہو جائے، اس کو اصطلاح میں ''تعدیل ارکان'' کہا جاتا ہے، یہ ضروری ہے، لیکن ان اعرابی صحابی نے اس کا خیال نہیں کیا، بلکہ تیزی سے رکوع سجدہ کر کے دو رکعت پڑھ کر آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ، قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

''وعلیکم السلام، جاؤ، نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' حالانکہ انہوں نے نماز پڑھی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جاؤ، دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

ان رکعتوں میں کوئی وزن نہیں تھا

اب بظاہر وہ دو رکعت نماز ہی تھی، اور بظاہر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت ادا کی جا رہی تھی، لیکن چونکہ وہ دو رکعتیں سنت کے مطابق نہیں تھیں، اور شریعت

کے مطابق نہیں تھیں، اس وجہ سے ان میں کوئی وزن نہیں تھا، اسلئے آپ نے فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ پھر بعد میں آپ نے ان کو سکھایا، اور بتایا کہ نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے، اور نماز میں تعدیل ارکان ضروری ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ جو بھی نیکی کا عمل ہو، وہ شریعت اور سنت کے مطابق ہو، شریعت اور سنت کے خلاف نہ ہو۔

ہر بدعت گمراہی ہے

بعض اوقات معاشرے میں ایسے اعمال کا رواج ہو جاتا ہے، جب کی نہ تو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے، بلکہ لوگوں نے اپنی طرف سے گڑھ کر ایک طریقہ نکال لیا، جس کو اصطلاح میں ''بدعت'' کہتے ہیں ''بدعت'' کے معنی ہیں، ایک ایسی چیز جو دین میں نئی پیدا کر دی جائے، وہ دین کا حصہ نہیں، مگر اس کو دین کا حصہ بنا لیا گیا، رسم ورواج کے ذریعہ لوگوں نے اس کو دین کا حصہ بنالیا، وہ ''بدعت'' ہے، جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

کہ ہر وہ نئی بات جو دین میں پیدا کی جائے، وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس عمل کی کوئی وقعت نہیں

اب آدمی جو بدعت ایجاد کرتا ہے، بسا اوقات وہ مخلص ہوتا ہے، اور اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لئے وہ عمل کرنا چاہتا ہے، لیکن چونکہ وہ اس طریقے کے مطابق نہیں ہے، جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا، بلکہ اپنی طرف سے گڑھ کے وہ راستہ نکال لیا، اور اسی کو عبادت سمجھنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس عمل کی کوئی وقعت نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس عمل کا کوئی وزن نہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں بھی اس طرح کی بہت سی باتیں چلی ہوئی ہیں، جن کا ثبوت نہ قرآن کریم میں ہے، اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے، اور نہ صحابہ کرامؓ کے عمل میں ہے، بلکہ اپنے طور پر ایک بات نکال لی ہے، اور اس کو عبادت قرار دے دیا، اور اس کو لازمی سمجھ لیا کہ اگر کوئی شخص اس عمل کو نہ کرے تو اس پر لعنت و ملامت کی جاتی ہے، اور اس نکیر کی جاتی ہے، اس کو طرح طرح کے القاب دیے جاتے ہیں۔

تیجہ اور چالیسواں کرنا بدعت ہے

مثال کے طور پر ہمارے یہاں یہ رسم چل پڑی ہے کہ اگر کسی انتقال ہو جائے تو جس گھر میں انتقال ہوا ہے، اس گھر والے پر لازمی ہے کہ وہ تیسرے دن لوگوں کی دعوت کرے، تیجہ کرے، اور دسویں دن دسواں کرے، چالیسویں دن چہلم کرے، اب اس عمل کو بڑی عبادت سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی نہ کرے تو اس پر نکیر اور ملامت کی جاتی ہے۔ ایسی مثالیں میرے سامنے آئی ہیں کہ ایک شخص بیچارہ غریب آدمی ہے، اس کے گھر میں کسی کا انتقال ہو گیا، اب اس کو ایک طرف تو صدمہ ہے، اور دوسری طرف یہ فکر پڑ جاتی ہے کہ مجھے سارے

خاندان کی دعوت کرنی ہے، چاہے اس کے لئے اس کو قرض لینا پڑے، چاہے اس کو حرام طریقے سے پیسے حاصل کرنے پڑیں، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تیسرے دن پوری خاندان کی ضرور دعوت کرے، اور کہتے ہیں کہ یہ ایصال ثواب کے لئے کیا جا رہا ہے، لوگ اس عمل کو عبادت اور دین کا حصہ سمجھ کر کر رہے ہیں۔

میت والے گھر میں دوسرے لوگ کھانا بھیجیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہ تھی کہ جس کے ہاں انتقال ہو جائے، اس کے رشتہ داروں کو اور اس کے ملنے جلنے والوں کو چاہیے کہ اس کے گھر کھانا بھیجیں، غزوہ موتہ میں جب حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ ان کے یہاں کھانا بنا کر بھیج دو، کیونکہ ان کے یہاں صدمہ ہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو یہ ہے کہ دوسرے لوگ کھانا بنا کر میت کے گھر میں بھیجیں، لیکن ہمارے یہاں الٹا رواج یہ چل پڑا کہ جس گھر میں میت ہو، اس کے گھر والے کھانا بنا کر دعوت کریں، اور اگر وہ دعوت نہ کرے تو اس پر لعنت و ملامت شروع ہو جاتی ہے، اور معاشرے میں اس کی ناک کٹ جاتی ہے، بلکہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

مر گیا مردود، نہ فاتحہ، نہ درود

اس طرح کے جملے اس پر کسے جاتے ہیں، اگر کوئی ان سے کہے کہ بھائی

یہ تو سنت کا طریقہ نہیں ہے، تو اس پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ یہ وہابی ہے، یہ شخص ہمارے اسلاف کے طریقوں کے خلاف کرنا چاہتا ہے، ہمارے آباء واجداد کے طریقوں سے منحرف ہونا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل نہ قرآن کریم میں ہے، اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں، اور نہ ہی صحابہ کرام کے طریقوں میں اس کی کوئی بنیاد ہے، لیکن اس کو عبادت کے طور پر ضرور کرنا ہے، اسی کو ''بدعت'' کہا جاتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک چیز نکال لی ہے، اور اس کو اتنا لازمی سمجھ لیا گیا کہ اس کے نہ کرنے والے پر نکیر کی جاتی ہے۔

پابندی کی وجہ سے یہ عمل بدعت بن گیا

یہ عمل اگرچہ لوگ بظاہر اخلاص سے ہی کرتے ہیں، اور ایصال ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ اگر لوگ جمع ہو رہے ہیں، اور جمع ہو کر قرآن شریف پڑھ کر مرنے والے کے لئے ایصال ثواب کر رہے ہیں، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بات تو صحیح ہے کہ قرآن شریف پڑھنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے، لیکن اسی قرآن شریف پڑھنے کے ساتھ کچھ پابندیاں لگا دی گئی ہیں کہ تیسرے دن قرآن شریف پڑھا جائے گا، اور اس کے بعد دعوت ہوگی، اور وہ دعوت میت کے گھر والوں کی طرف سے ہوگی، اور اس دعوت میں سب لوگوں کو شریک ہونا لازمی ہوگا، اور جو شریک نہیں ہوگا، اس کو برا سمجھا جائے گا، یہ پابندیاں ہیں جس نے اس عمل کو خراب کر دیا ہے۔ ورنہ کوئی بھی نیکی کا کام کر کے

ایصال ثواب کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور سنت طریقہ ہے، لیکن اس کے اندر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے لئے کوئی خاص دن مقرر ہو، خاص طریقہ مقرر ہو، خاص دعوت مقرر ہو، بلکہ غریبوں کو کھانا کھلا دو۔

دعوت کا انتظام ترکہ سے کرنا جائز نہیں

عام طور پر یہ ساری دعوت اور سارا انتظام مرنے والے کے ترکے میں سے کیا جاتا ہے، حالانکہ جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو مرتے ہی اس کا سارا مال اس کے ورثاء کا حق بن جاتا ہے، ان میں نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں، وہ نابالغ بچے اگر زبان سے اس کے خرچ کرنے کی رضامندی کا اظہار بھی کر دیں تو ان کی رضامندی بھی شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا اس موقع پر ترکہ کا غلط استعمال ہوتا ہے، جو اس طرح کیا جاتا ہے، اگرچہ لوگ یہ عمل خلوص کے ساتھ کرتے ہیں، لیکن صرف خلوص کافی نہیں، بلکہ طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے، جس کا نام ''صدق'' ہے۔

جمعہ کی دو کے بجائے چار رکعت پڑھنے کا نتیجہ

لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ جو کر رہے ہیں یہ نیک کام کر رہے ہیں، قرآن کریم پڑھ رہے ہیں، تسبیحات پڑھ رہے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ خوب سمجھ لیجئے اس میں حرج یہ ہے کہ یہ طریقہ تم نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ نہیں بتایا تھا، تم نے

اپنی طرف سے یہ طریقہ بنالیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے آج جمعہ کا دن ہے، اور جمعہ کی نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو رکعت فرض پڑھنے کا حکم ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ روزانہ تو ہم ظہر کے وقت چار رکعت فرض پڑھا کرتے ہیں، اور جمعہ کا دن تو زیادہ مقدس اور مبارک دن ہے، اس میں تو اور زیادہ رکعتیں پڑھنی چاہئیں، لہٰذا میں تو دو کے بجائے چار رکعت پڑھوں گا، اگر وہ شخص دو رکعت کے بجائے جمعہ کے چار فرض پڑھے تو بتاؤ اس نے کون سا گناہ کا کام کرلیا؟ بظاہر تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کی، قرآن کریم زیادہ پڑھا، رکوع زیادہ ہوئے، سجدے زیادہ ہوئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع زیادہ ہوا، لیکن چونکہ یہ دو رکعتیں تم نے اپنی طرف سے بڑھائی ہیں، اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی نہیں تھیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نہیں تھیں، اس لئے ان رکعتوں میں کوئی وزن نہیں رہا، بلکہ یہ رکعتیں اصل دو رکعتوں کو بھی لے ڈوبیں گی، اور ایسا شخص ثواب زیادہ حاصل کرنے کے بجائے الٹا گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی دو رکعتیں ہیں، اور تم نے اپنی طرف سے اس میں اضافہ کردیا۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''دعاجو'' تشریف لایا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے، اور بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے، ایک دن

آ کرانہوں نے والد صاحب سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجد کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہیں، اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں، حضرت والد صاحبؒ نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱) بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے، اس کے بعد آپ نے اس ایک کے ہندسہ کے دائیں طرف ایک نقطہ بنایا (۱۰) لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہوا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہو گیا، اور پھر ایک نقطہ اور لگایا، اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہو گیا، پھر ایک نقطہ اور لگا دیا، اور لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار (۱۰۰۰) ہو گیا، پھر فرمایا کہ جتنے نقطے لگاتا جا رہا ہوں یہ دس گنا بڑھتا جا رہا ہے۔ پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیے، اور اب دوبارہ وہی نقطہ ایک کے ہندسہ کے بائیں طرف (۱،۰) لگایا، پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ صفر اعشاریہ ایک ہو گیا، یعنی ایک کا دسواں حصہ، اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا (۱،۰۰) اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ صفر صفر اعشاریہ ایک ہو گیا، یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہو گیا (۱،۰۰۰) لوگوں نے بتایا کہ اب صفر صفر صفر اعشاریہ ایک ہے، یعنی ایک کا ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کر رہے ہیں، پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے

ہیں یہ سنت ہیں، اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں، دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ہیں، ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جا رہا ہے تو سنت ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے، اور جو بائیں طرف لگائے جا رہے ہیں وہ اجر وثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اس کو گھٹا رہے ہیں، اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں، بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

خلاصہ

بہر حال؛ عمل میں وزن پیدا کرنے کیلئے دوسری بڑی شرط اس عمل کا سنت کے مطابق ہونا ہے، اور شریعت کے مطابق ہونا ہے، اس کے خلاف اگر وہ عمل ہوگا تو اس عمل میں وزن نہیں ہوگا۔ تیسری شرط ''اخلاص'' ہے، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اس کے بارے میں اگلے جمعہ میں عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

”اخلاص“

عمل میں وزن پیدا کرنے کا ذریعہ

تفسیر سورۂ قارعۃ

(۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

اَلْقَارِعَۃُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَۃُ ﴿۲﴾ وَ مَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ﴿۳﴾ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ
خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ
مَا هِيَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللهِ صَدَقَ اللهُ مَوْلٰنَا
الْعَظِيْمِ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ
مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّا كِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سورۂ قارعہ ہے، جس کی تفسیر کا بیان گذشتہ سے پیوستہ جمعہ کوشروع کیا تھا، اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح گذشتہ سے پیوستہ جمعہ میں کی جا چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں قیامت کے اس ہولناک منظر کی تصویر کشی فرمائی ہے، جس میں سارے انسان قیامت کے قائم ہونے کے وقت بکھرے ہوئے پروانوں کی شکل میں حیران و پریشان ہوں گے، اور پہاڑ کے ذرّات دھنکی ہوئی روئی کی طرح فضا میں بکھرے ہوئے ہوں گے، اور اس ہولناک منظر کی تصویر کشی سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی اس دنیاوی زندگی میں اس آنے والے وقت کو نہ بھولے۔

وہ من پسند زندگی میں ہوگا

اس آنے والے وقت کے بارے میں فرمایا کہ :

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾

یعنی اس آنے والے وقت میں جب انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا تو اس وقت ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا، اور جیسا کہ میں نے پچھلے بیان میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کے وزن کا طریقہ کیا ہوگا؟ جب وزن کیا جائے گا تو جس کی ترازو کا پلہ بھاری پڑ گیا، یعنی اس کے اعمال میں اتنا وزن ہوا کہ جس کے نتیجے میں ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا تو وہ شخص من پسند زندگی میں رہے گا، یعنی وہ زندگی ایسی ہوگی کہ وہ جو چاہے گا وہ اس کو ملے گا، جس کا اس دنیا کے اندر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس دنیا میں بڑے سے بڑا صنعت کار، سرمایہ دار، حاکم، دولت مند، بادشاہ، شہنشاہ کوئی بھی ان میں سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو میں چاہتا ہوں وہ ہو جاتا ہے، لیکن جنت میں ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ یہ سلطنت عطا فرمائیں گے کہ جو دل میں خواہش پیدا ہوگی، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو پورا فرما دیں گے، یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ ”فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾“ یعنی وہ من پسند زندگی میں ہوگا، ایک ہی لفظ میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بیان کر دیا۔

اس کا ٹھکانہ گھڑا ہوگا

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

لیکن وہ شخص جس کی ترازوئیں ہلکی پڑ گئیں، یعنی اس کے اعمال میں وزن نہ ہوا، تو ۔اللہ بچائے۔ اس کا ٹھکانہ ایک گھڑا ہوگا، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھڑا کیا چیز ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

اعمال میں وزن پیدا کرو

چند مختصر جملوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس دن کی تیاری کے لئے ابھی سے باخبر کر دیا ہے کہ تم وہاں اگر من پسند زندگی چاہتے ہو، اور وہ دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہوگی کہ وہ ساٹھ سال، ستر سال، اسّی سال، نوے سال، سو سال کے بعد ختم ہو جائے، بلکہ وہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی، اگر تم چاہتے ہو کہ وہاں کی تمہاری زندگی من پسند ہو تو تم اپنے اعمال میں وزن پیدا کرو، اور خدا نہ کرے اگر اعمال ہلکے پڑ گئے تو اس کے برعکس وہاں کی زندگی میں تکلیف ہی تکلیف ہوگی، رنج ہی رنج، صدمہ ہی صدمہ، عذاب ہی عذاب ہوگا۔

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہوگا؟

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کی ترازوئیں بھاری پڑ گئیں، یعنی اس کے اعمال وزنی ہوئے تو اس کا انجام اچھا ہوگا، اور اگر اعمال کا وزن کم ہوا تو انجام خراب ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ اعمال میں وزن کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ یہاں اللہ تعالیٰ نے اعمال کی گنتی کا ذکر نہیں کیا کہ جس کے اعمال جتنے زیادہ ہوں گے، اس کا انجام اچھا ہوگا، بلکہ یہ فرمایا کہ جس کے اعمال وزن میں زیادہ بھاری ہوں گے وہ شخص من پسندی میں ہوگا، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث شریفہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اعمال میں وزن کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ بنیادی طور پر اعمال میں وزن پیدا کرنے والی

دو چیزیں ہیں، ایک ایمان، دوسرے اخلاص، اگر ایمان نہیں۔العیاذ باللہ۔اللہ کی ذات پر، اللہ کی توحید پر، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر، اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اگر ان چیزوں پر ایمان نہیں ہے تو پھر کسی عمل میں کوئی وزن نہیں ہے۔

وزن اعمال کی بنیادی شرط ''ایمان''

بہت سے غیر مسلم بعض اوقات اچھے کام کرتے ہیں، مثلاً فلاحی کام کرتے ہیں، رفاہی کام کرتے ہیں، لوگوں کی مدد کرتے ہیں، خدمت خلق کے لئے بہت سے منصوبے قائم کرتے ہیں، پیسے بھی خرچ کرتے ہیں، محنت بھی کرتے ہیں، یہ سب اعمال کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اعمال میں وزن کے لئے سب سے پہلی چیز ایمان ہے، اور دوسرے نمبر پر اخلاص ہے، لہٰذا یہ اعمال جو غیر مسلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا صلہ دنیا ہی میں عطا فرمادیتے ہیں، مثلاً دنیا میں ان کی شہرت ہوجاتی ہے، دنیا میں نیک نامی ہوجاتی ہے، دنیا میں ان کو ترقی مل جاتی ہے، اور وہ زوال کے گڑھے سے نکل کر عروج کی معراج تک پہنچ جاتے ہیں، دنیا میں ان کو صلہ دے کر ان کا حساب ختم کردیا جاتا ہے، لیکن آخرت میں ان کے اعمال کا بالکل وزن نہیں ہوگا، اس لئے کہ وزن اعمال کے لئے جو بنیادی شرط ہے ''ایمان'' وہ موجود نہیں۔

کافروں کے اعمال گرد وغبار کی طرح

چنانچہ قرآن کریم میں سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ (الفرقان: ۲۳)

کہ ان کافروں نے دنیا میں جو بھی عمل کئے تھے، جب ہم ان کا بدلہ دینے پر آئیں گے تو ہم ان کے اعمال کو اُڑتے ہوئے گرد و غبار کی طرح بنا دیں گے، جس طرح غبار کا کوئی وزن نہیں ہوتا، اسی طرح ان کے اعمال کا بھی کوئی وزن نہیں ہوگا، البتہ ان کے نیک اعمال کا صلہ ان کو دنیا کے اندر ہی دیدیا جاتا ہے، دنیا ان کی اچھی ہو جاتی ہے، آخرت میں ایمان کے بغیر ان اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اس میں کوئی وزن نہیں، بہر حال! عمل میں وزن ایک تو ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔

وزن پیدا ہونے کی دوسری شرط ''اخلاص''

وزن پیدا ہونے کی دوسری شرط اخلاص ہے کہ جو کوئی کام کیا جائے، وہ اللہ جل شانہ کی رضامندی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے انجام دیا جائے، تو اس میں وزن ہوگا، چاہے وہ عمل چھوٹا سا کیوں نہ ہو، مخلوق کی رضامندی حاصل کرنا مقصود نہ ہو، مخلوق سے تعریف کرانا مقصود نہ ہو، شہرت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، ریاکاری مقصود نہ ہو، دکھاوا مقصود نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو تو پھر ایک چھوٹے سے عمل میں بھی بڑا وزن اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں۔

اخلاص کے ساتھ صرف فرائض و واجبات ادا کرنیوالا

فرض کرو کہ ایک شخص نے اپنی زندگی میں کبھی نوافل نہیں پڑھے، صرف

فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا رہا، لیکن جو کچھ پڑھا، وہ خالص اللہ کے لئے پڑھا تو اس کی عبادت میں بڑا وزن ہوگا۔ لیکن ایک شخص نے ہزارہا نوافل پڑھے، لیکن مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا نہیں تھا، بلکہ ریاکاری مقصود تھی، دکھاوا مقصود تھا تو ان نوافل کا ذرہ برابر وزن نہیں ہوگا، بلکہ اُلٹا وہ عذاب کا سبب بن جائے گا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے عمل پر اللہ تعالیٰ نے بڑا اصلہ عطا فرمادیا۔

ایک کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص ایک صحراء کے اندر سفر میں تھا، پیاس شدید لگی ہوئی تھی، اس کو ایک کنواں نظر آیا، وہ شخص کنویں میں اترا، اور پانی پیا، اور واپس آگیا، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ ایک کتا کنویں کے پاس کھڑا ہے، اور پیاس کی شدت کی وجہ سے کنویں کے پاس جو گیلی مٹی ہے، اس کو چاٹ رہا ہے، اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ یہ کتا بھی اللہ کی مخلوق ہے، اور جس طرح مجھے شدید پیاس تھی، اس طرح اس کو بھی شدید پیاس لگی ہوئی ہے، اور جس طرح مجھ کو پانی کی تلاش ہے، اس کو بھی پانی کی تلاش ہے، لہٰذا مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے، لیکن کتے کو پانی پلانے کے لئے وہاں پر کوئی برتن نہیں تھا، نہ کوئی ڈول تھا، اس نے سوچا کہ میں کس طرح اس کتے کوئی پانی پلاؤں؟ اس شخص نے چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، چنانچہ اس نے وہ موزے اتارے، اور پھر کنویں کے اندر اترا، اور ان موزوں میں پانی بھرا،

اور لاکر اس کتے کو پلا دیا۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

فشکر اللہ لہ فغفر اللہ لہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس عمل کی اتنی قدردانی فرمائی کہ اس کی مغفرت فرمادی۔

اس عمل میں دکھاوے کا شائبہ نہیں تھا

اب بظاہر کتے کو ایک مرتبہ پانی پلا دینا دیکھنے میں کوئی بہت بڑا عمل نظر نہیں آتا، لیکن کس اخلاص کے ساتھ اس نے یہ عمل کیا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی بھی نہیں تھا کہ اس کو دکھاتا کہ میں اس کتے کو پانی پلا رہا ہوں، اور اگر پلا بھی دیا تو دوسرے کے سامنے اس کا کیا تذکرہ کرے کہ میں نے کتے کو پانی پلایا تھا، لہٰذا اس عمل میں دکھاوے کا اور ریاکاری کا کوئی شائبہ نہیں تھا، بلکہ خالص اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا کہ اگر میں اس کی مخلوق پر میں رحم کروں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں گے، اس شخص نے کس عظیم اخلاص کے ساتھ یہ عمل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو اتنا وزن بخشا کہ اسکی مغفرت فرمادی، لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ کونسا عمل کس وقت کس خلوص کے ساتھ انجام پا جائے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کا بیڑہ پار کردے۔

کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو

اسی لئے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

بڑے کام کی حدیث ہے، فرمایا کہ :

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا

''یعنی نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھو''......اس لئے کہ بعض اوقات جب دل میں کسی نیک کام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور خیال آیا کہ میں یہ نیک کام کرلوں، اور وہ چھوٹا سا کام ہے، اس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ یہ چھوٹا سا کام تمہاری زندگی میں کیا تبدیلی لائے گا، تمہارے گناہوں کا انبار اتنا بڑا ہے کہ اس انبار کی موجودگی میں یہ چھوٹی سی نیکی تمہیں کیا فائدہ پہنچائے گی؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ واقعی یہ تو چھوٹا سا عمل ہے، اس کے کرنے سے کیا فرق پڑے گا؟ اور یہ سوچ کر وہ اس عمل کو چھوڑ دیتا ہے۔

چھوٹے عمل کو بھی مت چھوڑو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ہرگز ایسا نہ کرو، بلکہ جب کبھی کسی نیک کام کا داعیہ دل میں پیدا ہوجائے کہ میں فلاں نیک کام کرگزروں تو اس نیک کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو، کیوں؟ اس لئے کہ کیا پتہ اس وقت تمہارے دل میں جس خلوص کے ساتھ یہ داعیہ پیدا ہوا ہے، اس کی وجہ سے چھوٹے کام کے اندر بھی اللہ تعالیٰ وزن پیدا فرمادے، اور اس کے ذریعہ تمہارا بیڑہ پار فرمادیں، مثلاً فرض کریں کہ آپ بازار کی طرف جارہے ہیں، سڑک کے اوپر کیلے کا چھلکا نظر آیا، آپ نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کا پاؤں اس کے اوپر پڑجائے، اور وہ پھسل جائے، آپ نے سوچا کہ اس چھلکے کو راستے سے الگ کردیا جائے، تاکہ گزرنے والوں کو راستے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، دل میں یہ

خیال آیا کہ یہ کام کرلوں، لیکن شیطان نے بہکا دیا کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، چھوڑو، یہ عمل کوئی اور کر دے گا، اور اگر میں نے یہ عمل کر بھی لیا تو میرے اتنے سارے گناہوں کے مقابلے میں یہ عمل کیا حیثیت رکھتا ہے، اگر آپ نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اس عمل کو چھوڑ دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ایک نیکی سے محروم ہو گئے، لیکن اگر آپ نے اس پر عمل کرلیا تو کیا پتہ کہ اس وقت دل میں اخلاص کا جو جذبہ پیدا ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا پسند آجائے کہ اسی کی بنیاد پر تمہاری مغفرت ہو جائے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَۃً، اَعْلَاھَا کَلِمَۃُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، وَ اَدْنٰھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ

کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، ان میں سے سب سے بڑا شعبہ کلمہ لا الہ اللہ پر ایمان لانا ہے، اور سب سے ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ راستے میں جو ایسی چیز پڑی ہوئی ہو جو لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو، یا لوگوں کے لئے گندگی کا سبب ہو، اس چیز کو راستے سے ہٹا دینا، یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے، اگر ایمان کے اس شعبہ پر اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمل کرلیں، تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس چھوٹے سے عمل میں اتنا وزن پیدا ہو جائے کہ تمہارا بیڑہ پار ہو جائے۔

ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے

اس میں بڑا اہم راز یہ ہے کہ نیکی کی خاصیت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیکی کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں تو وہ نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مزید دوسری نیکی کرنے کی توفیق ملتی ہے، اور گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، آدمی ایک گناہ کو یہ سوچ کر کرتا ہے کہ چلو یہ چھوٹا سا گناہ ہے، اس کو کرلیں، لیکن جب اس گناہ کو کرلیتا ہے تو اس کے بعد دوسرے گناہ کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

ہمارے بزرگوں نے اس بات کو اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ دل میں جب کسی نیکی کا خیال آئے تو اس خیال کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ''وارد'' کہتے ہیں، مثلاً خیال آیا کہ میں فلاں آدمی کی مدد کروں، اس کو کچھ پیسے دیدوں، وہ غریب آدمی ہے، اس کو کچھ فائدہ پہنچادوں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ ''وارد'' تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان ہے، اگر تم نے اس مہمان کی میزبانی کرلی، اور اس کی خاطر تواضع کرلی، یعنی اس وارد پر عمل کرلیا، تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور کسی دوسری نیکی کا خیال تمہارے دل میں ڈالے گا کہ فلاں نیک کام کرلو، لیکن اگر تم نے اس مہمان کو دھتکار دیا، اور کہا کہ میں تمہاری بات نہیں مانتا، تو پھر وہ مہمان تمہارے پاس دوبارہ نہیں آئے گا۔ جس طرح

آپ کے گھر میں کوئی مہمان آئے، اور آپ اس کی خاطر تواضع کے بجائے اور اس کی عزت و اکرام کرنے کے بجائے اس کو دھتکار کر باہر نکال دیں، تو پھر کوئی شریف آدمی دوبارہ آپ کے گھر کا رُخ نہیں کرے گا، لیکن اگر آپ نے اس مہمان کا اعزاز و اکرام کیا، اور اس کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا تو اس شخص کو حوصلہ ہوگا، اور وہ یہ سوچے گا کہ یہ تو مہمان کا اکرام کرنے والا ہے، چنانچہ وہ مہمان دوبارہ گھر پر آئے گا۔

یہ مہمان دوبارہ آئے گا

لٰہذا یہ خیال جو تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہا ہے کہ تم فلاں نیکی کرلو، یہ خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہمان ہے، اگر اس مہمان کی قدردانی کرلی، اور اس کا اکرام کیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور تم سے کوئی نیکی کرا جائے گا، اور ہوسکتا ہے کہ رفتہ رفتہ تمہاری ساری زندگی سنور جائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔یعنی نیکی کے کسی کام کو ہرگز حقیر مت سمجھو، کچھ پتہ نہیں کہ وہ چھوٹا سا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا قیمتی قرار پائے، اور کتنا وزنی قرار پائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنے اعمال میں وزن پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اخلاص

عمل میں وزن کے لئے شرط ہے

(تفسیر سورۂ قارعۃ)

(۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْقَارِعَۃُ ۝۱ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۲ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۳ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَ اَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَاهِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ آمَنْتُ بِاللهِ صَدَقَ اللهُ مَوْلٰنَا
الْعَظِيْم ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ
مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز، سورۃ القارعہ کا بیان گزشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناک منظرکشی کے بعد انسان کو متوجہ کیا ہے کہ اس منظرکشی سے انسان کو کیا سبق لینا چاہیے، اور وہ سبق یہ ہے کہ اس ہولناک منظر میں جن لوگوں کے اعمال میں وزن ہوگا، وہ تو من پسند زندگی میں ہوں گے، اور جن کے اعمال ہلکے پڑ گئے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ العیاذ باللہ العلی العظیم

عمل میں وزن کے لئے ''صدق'' شرط ہے

میں نے عرض کیا تھا کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے کی تین شرطیں ہیں، جن کے نتیجے میں اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی مفقود ہوگئی تو اعمال میں وزن نہیں ہوگا، ایک ''ایمان'' دوسرے ''صدق'' یعنی اس عمل کا سنت کے مطابق ہونا، جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح کرنے کا

حکم دیا ہے، اسی طرح اس کو انجام دینا، اپنی طرف سے کوئی نئی بات گھڑ کر دین میں داخل کر دینا، یہ بدعت ہے، اور اس بدعت کے عمل میں کوئی وزن نہیں ہوتا، چاہے وہ عمل دیکھنے میں کتنا ہی اچھا نظر آرہا ہو، لیکن وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہوتے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑے ہوتے ہیں، اس واسطے ان میں کوئی وزن نہیں۔

ان کے اعمال اکارت ہو گئے

اسی لئے قرآن کریم میں سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ؕ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ هُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے زیادہ نقصان میں کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیا میں اکارت گئی، انہوں نے محنت کی، اور بظاہر اخلاص کے ساتھ محنت کی، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کی، لیکن وہ محنت چونکہ غلط طریقے سے کی، تو فرمایا کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے اعمال اکارت گئے، اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا کام نہیں تھا، لہٰذا اعمال میں وزن پیدا کرنے کی دوسری شرط ''صدق'' ہے، اور ''صدق'' کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کو شریعت اور سنت کے دائرے میں انجام دیا جائے۔

عمل میں وزن کے لئے ''اخلاص'' شرط ہے

تیسری شرط جس سے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے، وہ ہے ''اخلاص'' یعنی جو بھی عمل کیا جائے وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا جائے، اس عمل کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے اور کچھ نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی عمل دکھاوے کے لئے کیا جا رہا ہے، تو اس عمل میں کوئی وزن نہیں، وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہیں کیا گیا۔ ہمارے معاشرے میں آج کل یہ رجحان پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی جو عبادتیں ہیں، ان عبادتوں کو بھی کسی دنیاوی مقصد کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔

جسمانی ورزش کی نیت سے نماز پڑھنا

مثلاً، کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ جو نماز فرض کی گئی ہے، یہ جسمانی ورزش کا بڑا اچھا طریقہ ہے، اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے، اب اگر کوئی شخص نماز اس لئے پڑھے تاکہ اس سے اس کی جسمانی ورزش ہو جائے، ایکسرسائز (Exercise) ہو جائے تو یہ اخلاص کے خلاف ہے، یہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوئی، بلکہ دنیاوی مقصد کے لئے ہوئی، لہٰذا یہ نماز اکارت گئی۔ ٹھیک ہے اس نماز کا ایک جزوی اور ضمنی فائدہ بیشک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے تو اس سے جسمانی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک بڑے ڈاکٹر نے یہ بتایا کہ

اگر کسی شخص کو اپنے دل کی رگوں اور پٹھوں کو مضبوط کرنا ہوتو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جس طرح نماز کے اندر التحیات میں بیٹھتا ہے، اس طرح بیٹھے، اور گردن دائیں اور بائیں طرف کرے، اس سے دل کی رگوں اور پٹھوں کی ورزش ہوتی ہے، اور پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ اب نماز پڑھنے سے یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، لیکن نماز پڑھنے کا مقصود یہ فائدہ حاصل کرنا نہیں ہے۔

ہر چیز کی لوجک (Logic) نکالنا

آج کل یہ مزاج بن گیا ہے کہ لوگ ہر چیز کو دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کو بڑا اچھا سمجھتے ہیں، مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ نماز اس لئے فرض کی گئی ہے کہ اس سے دن میں پانچ مرتبہ جسم کی ورزش ہو جاتی ہے، اور اس سے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں، تو اس بیان سے لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ اسی نے نماز کی سائنٹیفک لوجک (Scientific logic) بیان کی، یہ آدمی بڑا ماڈرن اور پڑھا لکھا ہے، اس نے نماز کی سائنٹیفک جسٹفیکیشن (Scientific justification) تلاش کرلی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اگر کوئی شخص اس مقصد سے نماز پڑھے گا کہ اس سے میری جسمانی ورزش ہو جائے گی، تو وہ نماز نہیں ہے، وہ تو ورزش ہے، وہ تو ایکسرسائز (Exercise) ہے، لیکن وہ نماز نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھی گئی، اس نماز میں کوئی اخلاص نہیں، اس نماز میں کوئی وزن نہیں۔

نماز خالص اللہ کے لئے ہو

نماز تو وہ ہے جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے، اور اس کی

خوشنودی کی خاطر انجام دی جائے، اور ایسی نماز میں وزن ہے، یہ اور بات ہے کہ اس نماز کے ذریعہ ضمنی طور پر ورزش بھی حاصل ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسا طریقہ تجویز کر دیا ہے کہ اس سے ضمنی طور پر یہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، لیکن مقصود یہ فائدہ حاصل کرنا نہیں۔

نماز با جماعت کا مقصد

اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ با جماعت نماز پڑھنے کی جو تاکید کی گئی ہے، اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں گے، اور ایک دوسرے کی خبر گیری کریں گے، لوگوں کے درمیان آپس میں تعلقات بہتر ہوں گے، تعلقات عامہ میں اضافہ ہوگا، اور پبلک ریلیشنز (Public relations) میں اضافہ ہوگا وغیرہ۔۔۔ بیشک جماعت سے نماز پڑھنے سے یہ فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن جماعت سے نماز پڑھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو، ضمنی طور پر یہ فائدے بھی حاصل ہو جائیں گے، لیکن ان فوائد کو مقصود اصلی قرار دیدینا نماز کی روح کے خلاف ہے۔

حج کو انٹرنیشنل کانفرنس قرار دینا

اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ ''حج'' ایک انٹرنیشنل کانفرنس (International conference) ہے، جو بین الاقوامی طور پر ساری دنیا کے لوگوں کو جمع کر کے ایک کانفرنس (Conference) کی جاتی ہے، اگرچہ حج کے نتیجے میں یہ فائدہ حاصل

ہوتا ہے، لیکن اصل مقصود ''حج'' سے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، آدمی جو بھی کام کرے وہ اخلاص کے ساتھ کرے، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے کرے، مخلوق کی رضامندی، یا دکھاوا، یا مخلوق کے اندر شہرت حاصل کرنا، یہ چیزیں مقصود نہ ہوں، کسی عمل کے وزن دار ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں یہ بنیادی اصول ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک واقعہ

چنانچہ ہمارے بزرگانِ دین اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جب کوئی عمل کیا جائے تو وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اس میں کسی دوسرے مقاصد کی آمیزش نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اونچے درجے فقیہ بھی ہیں، محدث بھی ہیں، اور بڑے عابد و زاہد بزرگ ہیں، ان کے زمانے میں ایک بڑے بزرگ کا انتقال ہو گیا، ان سے کہا گیا کہ فلاں بزرگ کا انتقال ہو گیا ہے، آپ بھی ان کی نماز جنازہ میں چلیں، جواب میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

لَمْ تَحْضُرْنِي النِّيَّةَ

میں اس وقت نہیں جاسکتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں اخلاص کی نیت پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ یعنی یہ نیت کہ میں نماز جنازہ میں جا کر شریک ہوں، اور اس سے مجھے ثواب ملے، یہ نیت پیدا نہیں ہو رہی ہے، اب اگر میں جنازہ میں جاؤں گا تو تمہارے اصرار کی وجہ سے جاؤں گا، کہ اگر میں نہ گیا تو

لوگ کہیں گے کہ اتنے بڑے بزرگ کے جنازے میں شریک نہیں ہوا۔ اب اگر میں جاؤں گا تو مخلوق کو راضی کرنے کے لئے جاؤں گا، اس کی وجہ سے میرا یہ عمل بے وزن ہوجائے گا، اس لئے میں جنازہ میں شریک نہیں ہوتا۔ جب دل میں یہ نیت ہوگی کہ نماز جنازہ پڑھنے کا یہ ثواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی نماز جنازہ میں جو شخص شرکت کرتا ہے تو اس کو ایک قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے، اور وہ ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اتنا بڑا اجر ملتا ہے۔ جب دل میں نیت ہوگی کہ میں اس ثواب کو حاصل کرنے جا رہا ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تو یہ اخلاص ہوگا، اور اس عمل میں وزن ہوگا، اور اس پر ثواب مرتب ہوگا، لیکن محض اس نیت سے شریک ہونا کہ اگر میں شریک نہیں ہوں گا تو میری ناک کٹ جائے گی، لوگ مجھے کیا کہیں گے، اس خیال سے اگر کوئی شخص وہ کام کرتا ہے تو وہ اخلاص نہیں، وہ لوگوں کے دکھاوے کے لئے کر رہا ہے۔

محبت سے دیا جانے والا تحفہ

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے یہ فرمایا ہے کہ :

تَهَادَوْا تَحَابُّوْا

ایک دوسرے کو آپس میں ہدیے دیا کرو، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو محبت کے ساتھ کوئی تحفہ یا ہدیہ دینا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اور جس شخص کو ہدیہ یا تحفہ دیا جائے، اس کو کہا گیا ہے کہ اس ہدیہ کو

قبول کرلو، چاہے وہ ہدیہ چھوٹا سا ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ

یعنی اگر کوئی عورت اپنی پڑوسن کو کوئی چیز ہدیہ میں بھیجے، تو وہ پڑوسن اس ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ ایک بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ بکری کا کھر کوئی زیادہ قیمتی چیز نہیں ہوتی، اور اس کا استعمال بھی ذرا مشکل ہوتا ہے، اگر کسی پڑوسن نے کسی کے پاس بکری کا کھر بھیجا ہے، اور اس کو محبت سے بھیجا ہے، تو اس کو معمولی نہ سمجھے، حقیر نہ سمجھے، بلکہ اس کی قدر کرے۔

ہدیہ، برکت والی چیز ہے

بزگوں نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا محبت کے ساتھ بھیجا ہوا ہدیہ انسان کی آمدنی میں سب سے زیادہ برکت والی چیز ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، بہت کم خوراک کھاتے تھے، لیکن جب کوئی مسلمان کوئی ہدیہ ان کے پاس بھیجتا تو اس میں سے تھوڑا سا ضرور کھا لیتے تھے، اور باقی تقسیم کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ایک مسلمان کا ہدیہ ہے، اس میں بڑی برکت ہے۔

شادی وغیرہ کے مواقع پر دیا جانے والا ہدیہ

لیکن ہم لوگوں نے اپنی رسموں سے ہدیہ دینے لینے کی اس سنت کو اور

ہدیہ کے ثواب کو ضائع کر دیا ہے، مثلاً شادی بیاہ میں اور تقریبات میں آج کل ہدیے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ ہدیہ دینے والے کا دل تو ہدیہ دینے کو نہیں چاہ رہا ہے، لیکن اس خیال سے کہ اگر ہدیہ نہیں دیں گے تو ناک کٹ جائے گی، لوگ کیا کہیں گے کہ فلاں کی شادی میں اس نے اتنے پیسے بھی نہیں دیے، یا فلاں کو اس نے کوئی تحفہ بھی نہیں دیا، اور بعض تقریبات میں تو با قاعدہ فہرستیں بنتی ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کی شادی کے موقع پر اتنے پیسے دیے، اور جب میرے ہاں شادی ہوگی تو مجھے اتنے پیسے دینا ضروری ہوگا، گویا کہ وہ ایک قرضہ ہے، جسے اتارنا ضروری ہے، جس کو آج کل ''نیوتہ'' کہتے ہیں، اور قرآن کریم نے اس کو ''سود'' سے تعبیر فرمایا ہے، یہ اتنا بڑا گناہ ہے۔

دل نہ چاہتے ہوئے ہدیہ دینا

اور اگر بالفرض سود نہ ہو، لیکن دیتے وقت آدمی کا دل اندر سے گھٹ رہا ہے، اور دینے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ سوچتے ہوئے دے رہا ہے کہ اگر میں نہیں دوں گا تو معاشرے میں مجھے برا سمجھا جائے گا، اور یہ آدمی یہ کہے گا کہ میرے یہاں شادی کے موقع پر اس نے کچھ بھی نہیں دیا، اب جو ہدیہ دے رہا ہے، وہ محض دکھاوا کی خاطر دے رہا ہے، جس کے نتیجے میں ہدیہ کا سارا ثواب ضائع ہو گیا، کیونکہ اخلاص نہیں۔ اور اگر یہی ہدیہ آدمی خلوص اور محبت سے دے، اور اس نیت سے دے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ دینے کی فضیلت بیا فرمائی ہے، اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہدیہ دے رہا

ہوں، تو اس پر انشاء اللہ اس کو بڑا اجر وثواب ملے گا۔

زاویہ نگاہ بدل لو

ذرا سا زاویہ نگاہ بدلنے سے ایک عمل وزنی بھی ہوجاتا ہے، اور اس کا وزن ختم بھی ہوجاتا ہے، اگر آدمی زاویہ نگاہ درست کرلے، اور اتباع سنت کی نیت سے کرے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت میں کرے تو وہ عمل اس کے لئے باعث اجر وثواب ہے، اور اس کے اس عمل میں بڑا وزن ہے، اور اگر وہ عمل محض مخلوق کے دکھاوے کے لئے کرلیا تو نہ صرف یہ کہ اس عمل کا کوئی ثواب نہیں، اور اس عمل میں کوئی وزن نہیں، بلکہ الٹا ریاکاری کا گناہ ہوگا۔

عمل میں وزن پیدا کرنے کی تین شرطیں

بہرحال! اعمال میں وزن پیدا کرنے کی پہلی شرط ہے ''ایمان'' اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے، اور اس ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔ دوسری شرط ہے ''صدق'' یعنی جو بھی عمل ہو، وہ سنت کے دائرے میں ہو، اور تیسری شرط ''اخلاص'' یعنی جو بھی کام کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے کرے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کرے، اگر یہ تین باتیں حاصل ہوگئیں تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ''ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾'' کی صفت حاصل ہوجائے گی۔ بعض اوقات عمل چھوٹا سا ہوتا ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جاتا ہے، تو اس چھوٹے عمل پر ثواب بڑا عظیم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی

رحمت سے اس بات کی توفیق عطا فرمادے کہ چاہے عمل کم کریں، لیکن جو عمل کریں، وہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

خلاصہ

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا :

یَا مَعَاذ! اَخْلِصْ دِیْنَكَ یَکْفِیْكَ الْعَمَلُ الْقَلِیْلُ

اے معاذ اپنے دین میں اخلاص پیدا کرلو، تھوڑا سا عمل بھی تمہارے لئے کافی ہوجائے گا۔ اور اگر اخلاص نہیں تو بڑے بڑے اعمال اکارت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ تینوں شرطیں پوری کرنے کی توفیق عطا فرمادے، ایمان بھی درست ہو، صدق بھی حاصل ہو، اور اخلاص بھی حاصل ہو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں کہ اس کے موازین بھاری ہوں گے، اور وہ آخرت میں من پسند زندگی میں پہنچے گا، جس میں وہ جو چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو آخرت میں من پسند زندگی عطا فرمادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

گھوڑے سے وفاداری کا سبق لو

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝۸ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی

الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ
یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ ،
وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ
الشّٰاهِدِیْنَ وَ الشّٰاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

سورۂ عادیات کا مرکزی مضمون

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز، یہ سورۂ عادیات ہے، جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہایت بلیغ انداز میں انسان کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کرنے کا خوگر ہے، ناشکری کا عادی ہے، اور مال کی محبت اس کے دل میں سمائی ہوئی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے، اس سورت میں اس کو یہ یاد دلایا گیا ہے کہ یہ جو کچھ مال و دولت ہے، یہ دنیا ہی میں رہ جانے والی ہے، ایک وقت آئے گا جب قبروں سے انسان کو اٹھایا جائیگا، اور اس وقت پتہ چلے گا کہ مال و دولت کی جو محبت تھی، وہ کس درجہ ناپائیدار تھی، اور مال و دولت کی منفعت کتنی فانی تھی، اور اس مال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جو نافرمانی کی گئی، اس کا ہولناک بدلہ وہاں پر سامنے آجائیگا، یہ ہے اس سورت کا مرکزی مضمون۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی حالت

اس سورت کا ترجمہ سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اہل عرب جن کے سامنے

قرآن کریم سب سے پہلے نازل ہوا، ان کے بارے میں تقریباً سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کی عزیز ترین دولت گھوڑا اور اونٹ ہوا کرتے تھے، اور دوسری طرف ان کے درمیان جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑے کا سلسلہ بھی جاری تھا، قبائلی زندگی تھی، قبائلی دشمنیاں ہوتی تھیں، اور وہ ایک دوسرے پر حملے کرتے، ایک دوسرے کی زمین کو تخت و تاراج کرتے، اور اس کے ذریعہ مال غنیمت حاصل کرتے تھے، جنگ کے موقع پر اس زمانے میں سب سے زیادہ کارآمد چیز گھوڑے ہوتے تھے، گھوڑوں پر سوار ہوکر وہ دوسروں پر حملہ آور ہوتے تھے، اور گھوڑوں ہی کے ذریعہ دوسروں پر فتح حاصل کرتے تھے، اور دوسروں کے مال و دولت کو لوٹ لیتے تھے، یہ طریقہ کار عرب مین چلا آرہا تھا۔

گھوڑوں کی قسم کھانا

گھوڑا اس معاملے میں زیادہ کارآمد اسلئے تھا کہ وہ انسان کے لئے بہت وفادار جانور ہوتا تھا، اور اتنا وفادار ہوتا تھا کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے مالک کو بچانے کی کوشش کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو گھوڑے کے ذکر سے شروع فرمایا ہے، بلکہ ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، اور میں یہ بات سورۂ عصر کی تفسیر کے تحت عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے کسی چیز کی قسم کھانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ جو بات بھی فرماتے ہیں وہ برحق ہوتی ہے، لیکن کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے اور کلام کو زیادہ مؤکد بنانے کے لئے بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، اور

جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، ان کا اس دعوی سے خاص قسم کا ربط ہوتا ہے، جو دعوی اللہ تعالیٰ ان قسموں کے بعد کرتے ہیں۔

سورت کا ترجمہ

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١

''قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ کر دوڑتے ہیں'' تیز دوڑنے کے دوران بعض اوقات گھوڑا ہانپنے لگتا ہے، اور اس کا سانس پھول جاتا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں''

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢

پھر وہ گھوڑے پتھروں پر اپنے سُم مار کر وہاں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں۔

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣

پھر صبح کے وقت میں یلغار کرتے ہیں، صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤

پھر جس جگہ حملہ کرتے ہیں، وہاں پر گرد وغبار اڑاتے ہیں۔ جب بہت سارے گھوڑے تیز تیز دوڑ رہے ہوں، اور حملہ آور ہوں، تو بادل کی طرح غبار

آسمان کی طرف اڑتا ہے، آگے فرمایا :

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥

پھر وہ گھوڑے اپنے مقابل لشکر کے بیچوں بیچ پہنچ جاتے ہیں، ان سب گھوڑوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦

کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧

اور وہ اپنی اس خصلت کا خود گواہ ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ میں واقعۃً ناشکرا ہوں۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨

اور وہ مال کی محبت اپنے دل میں بہت زیادہ رکھتا ہے۔

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩

کیا وہ نہیں جانتا کہ قبروں میں جو کچھ بھی ہے، جب وہ سب بکھیر دیا جائے گا۔

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠

اور سینوں میں جو راز چھپے ہوئے ہیں، وہ کھل کر سامنے آجائیں گے۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کے تمام اعمال سے خوب اچھی طرح باخبر ہوگا۔ لہٰذا وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ یہ ہے اس سورت کا ترجمہ۔

گھوڑوں کے حالات پر غور کرو

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں، وہ گھوڑے جنہیں اہل عرب اپنے دشمن پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے، ان گھوڑوں کی کئی صفات بیان کی ہیں، اور ان کے کئی حالات بیان کئے ہیں، ان سب کے بعد فرمایا کہ ''انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے'' جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے، اس پر اطمینان سے ذرا غور کرو، حقیقت پسندی کے ساتھ غور کرو تو تم پر وہ بات واضح ہو جائے گی، جو ان قسموں کے بعد کہی گئی ہے، اور قسموں کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اگر تم ان گھوڑوں کے حالات پر غور کرو گے تو اس سے تمہیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ''انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''

گھوڑا طاقت کی علامت ہے

وہ کیسے؟ دیکھئے ان آیات مین بتایا گیا ہے کہ تم لوگ جن گھوڑوں کو استعمال کرتے ہو، اور ان پر سواری کرتے ہو، اور صرف سواری ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر بیٹھ کر جنگ لڑتے ہو، اور اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہو، ذرا غور تو کرو کہ وہ گھوڑا تمہارے مقابلے میں کتنا طاقتور ہے، گھوڑے کی جسمانی بناوٹ، اس کی طاقت، اس کی فربھی، اس کا وزن، جس اعتبار سے بھی دیکھو تو انسان اور

گھوڑے میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ گھوڑے کو طاقت کی علامت کے طور پر انسان استعمال کرتا ہے، جب کسی گاڑی یا انجن کی طاقت بتائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس میں اتنے ہارس پاور کا انجن ہے، یعنی اتنے گھوڑوں کی طاقت اس کے اندر موجود ہے۔ بہر حال! گھوڑا طاقت کی علامت ہے، اور اس کے مقابلے میں انسان طاقت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں، اگر ایک گھوڑا انسان پر حملہ آور ہو جائے تو انسان اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

گھوڑے کو انسان کے لئے مسخر کر دیا

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قوی ہیکل اور مضبوط مخلوق کو انسان کے لئے اس طرح تابع کر دیا ہے کہ ایک بچہ بھی اس گھوڑے کے منہ میں لگام ڈال کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے۔ اور جہاں چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے، کبھی گھوڑے نے پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ تم میرے اوپر کیوں سوار ہو رہے ہو؟ میں زیادہ طاقت ور ہوں، میں تمہاری خدمت کیوں کروں؟ تم کو میری خدمت کرنی چاہیے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس گھوڑے کی ساخت ایسی بنا دی، اس کی فطرت ایسی بنا دی کہ وہ انسان کے آگے بالکل رام ہو جاتا ہے، اور مسخر ہو جاتا ہے، اور ایک بچہ بھی اس کے منہ میں لگام لگا کر اس کو جہاں چاہتا ہے، لے جاتا ہے، ایک طرف تو یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے طاقتور جانور کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

گھوڑا تیز دوڑنے والا ہے

اور صرف مسخر ہی نہیں کیا، بلکہ یہ گھوڑا اتنا وفادار جانور ہے کہ جب اپنے مالک کو لے کر چلتا ہے تو اگر اس کو تیز دوڑانا چاہے تو وہ اس کے حکم پر تیز دوڑے گا، اور ہانپ ہانپ جائے گا، اس کا سانس پھول جائے گا، لیکن اپنے مالک کے حکم کے مطابق دوڑتا رہے گا، اس لئے کہ اس کے مالک نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ تیز دوڑے، چاہے اس تیز دوڑنے میں اسے کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے، اور ہانپنا پڑے۔ یہی معنی ہیں ''وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾'' کے۔

گھوڑا اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے

اور پھر وہ اتنا تیز دوڑتا ہے کہ اس کے ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے چنگاریاں اڑنے لگتی ہیں۔ یہی معنی ہیں ''فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾'' کے۔ اور پھر وہ جا کر دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے، حالانکہ وہ دشمن گھوڑے کا تو دشمن نہیں ہے، وہ تو گھوڑے پر بیٹھے ہوئے انسان کا دشمن ہے، لیکن چونکہ وہ اپنے مالک کا وفادار ہے، اس وفاداری کی وجہ سے وہ جنگ مول لیتا ہے، اور اپنے دشمن پر صبح کے وقت حملہ آور ہوتا ہے، یہی معنی ہیں ''فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾'' کے۔ اور وہاں میدان جنگ میں گرد وغبار اڑاتا ہے، یہی معنی ہیں ''فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾'' کے۔ اور دشمن کے لشکر کے بیچوں بیچ گھس جاتا ہے، یہی معنی ہیں ''فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾'' کے، آپ اندازہ لگائیں کہ اگر دشمن کا لشکر تیار ہو، اور ان کے ہاتھوں

میں تلواریں ہوں، کاندھوں پہ نیزے ہوں، اور بڑا زبردست جمگھٹا ہو، اس کے بعد بے دھڑک اندر گھس جانا، یہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے مرادف ہے، لیکن گھوڑا اپنے مالک کے حکم پر، اپنے مالک کی وفاداری میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا ہے، اور دشمن کے لشکر میں گھس جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے اپنے سوار کو اپنا مالک تسلیم کیا ہے، کیوں مالک تسلیم کیا ہے؟ اس لئے اس کا مالک اس کو صبح شام چارہ کھلا دیتا ہے، اس کی بھوک دور کر دیتا ہے، اس کی پیاس دور کر دیتا ہے، اس کو پانی پلا دیتا ہے، بس یہ خدمت مالک انجام دیتا ہے، تو وہ گھوڑا اس وفاداری کے صلے میں مالک کا اتنا وفادار بن گیا کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اپنے مالک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

گھوڑے سے وفاداری کا سبق لو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذرا اس گھوڑے کی طرف غور کر کے دیکھو کہ یہ عقل سے معذور ہے، بس معمولی سے سمجھ اس کے اندر موجود ہے، اس کے باوجود وہ مالک کا اتنا شکر گزار اور اتنا وفادار ہے کہ اپنے مالک کی خاطر جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ لیکن تم انسان ہو، عقل مند ہو، تمہارا بھی کوئی مالک ہے، تمہیں بھی کوئی چارہ دینے والا ہے، تمہیں بھی کوئی رزق پہنچانے والا ہے، تمہیں بھی کوئی نعمتوں سے نوازنے والا ہے، اس کے بارے میں تم اتنے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ میرا مالک جس نے مجھے پیدا کیا، جس نے مجھے بڑا کیا، جس نے مجھے کھانے کو دیا،

جس نے مجھ پر نعمتوں کی بارش برسائی، تم اس مالک کو بھلا بیٹھے ہو۔ اسی لئے فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶

اگر تم گھوڑے کے ساتھ اپنا موازنہ کر کے دیکھو تو پتہ چلے گا کہ تم اپنے مالک کے ساتھ اتنی وفاداری بھی نہیں کرتے جتنا تمہارا گھوڑا تمہارے ساتھ وفاداری کرتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ''انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے''

اکثر انسان ناشکرے ہیں

یہ اکثر انسانوں کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، بزرگان دین ہیں، یہ حضرات اللہ کے ناشکرے نہیں ہوا کرتے۔ اس لئے دنیا کی آبادی کی اکثریت کے اعتبار سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے، وہ اللہ کی نعمتوں کو نہ تو پہچانتا ہے نہ ہی شکر ادا کرتا ہے، نہ زبان سے شکر ادا کرتا ہے، نہ عمل سے شکر ادا کرتا ہے، زبان سے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، اور عمل سے شکر یہ ہے کہ اپنی ساری زندگی کو اس طرح اللہ تعالیٰ کا تابع بنا دے جس طرح اس کا گھوڑا اس کے تابع ہوتا ہے کہ ساری زندگی اس کی وفاداری کرتا ہے، اور ہر حال میں اس کی وفاداری کرتا ہے۔

سورۂ عادیات کا پیغام

اس مثال کے ذریعہ اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہے ہو، صبح سے لے کر شام تک تمہارے وجود پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں برس رہی ہیں، لیکن ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری میں مبتلا ہو، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے، جب اسی مالک کے حضور پیشی ہوگی، اس وقت تمہارے اعمال کا کچا چٹھا سامنے آجائے گا، اور اس کی بنیاد پر تمہارے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ یہ ہے اس سورت کا پیغام۔

اب انسان کے ناشکرا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور ناشکری سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ، اللہ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلے جمعوں میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ
لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَ لَئِنۡ
كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِيۡ
لَشَدِيۡدٌ ۝٧

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ناشکری کی پہلی قسم

غیر اللہ سے مانگنا

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾
وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ
يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم ،
وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ
الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سوۂ عادیات ہے، جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی، گزشتہ جمعہ سے اس سورت کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، جو اہل عرب استعمال کرتے تھے، اور ان کے ذریعہ اپنے دشمن پر حملہ بھی کیا کرتے تھے، اور اس کے نتیجے میں ان کو مال غنیمت بھی حاصل ہوتا تھا، ان گھوڑوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

یعنی انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ دوسری یہ کہ :

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾

کہ مال کی محبت انسان کے دل میں بڑی سخت پیوست ہے، گھوڑوں کی

قسم کھا کر یہ دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اور پھر اس کو نصیحت فرمائی ہے کہ انسان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دن اس کو قبر میں جانا ہے، اور ایک وقت آنے والا ہے کہ قبر میں جتنے مردے ہیں، وہ سب باہر نکال کر میدان حشر میں بکھیر دیے جائیں گے، اور لوگوں کے دلوں میں جو راز چھپے ہوئے ہیں، وہ سب باہر آ جائیں گے، اور تمام لوگوں کو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایک ایک بات سے پوری طرح باخبر ہیں۔

گھوڑے کو انسان کا تابع بنا دیا

اس سورت میں جو گھوڑوں کی قسم کھا کر دو باتیں ارشاد فرمائی گئیں، وہ یہ کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اور یہ کہ انسان مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے، ان دو باتوں کا گھوڑے سے تعلق یہ ہے۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا۔ کہ گھوڑا اگرچہ بڑا طاقتور جانور ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو انسان کا تابع فرمان بنا دیا ہے، وہ انسان کے آگے اس طرح رام ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے سوار کے ہر حکم کی اطاعت کرتا ہے، ایک بچہ بھی اس کے منہ میں لگام ڈال کر جہاں چاہتا ہے، اس کو لے جاتا ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ گھوڑا اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر، خطرے میں ڈال کر اپنے سوار کو فائدہ پہنچاتا ہے، اور جنگ کے موقع پر دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اپنے سوار کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

گھوڑے کی قسم کھانے کی وجہ

یہ گھوڑا وفادار جانور ہے، اور صرف اس وجہ سے وفاداری کرتا ہے کہ اس کا مالک اس گھوڑے کو چارہ دیتا ہے، اور اس کی تھوڑی بہت خدمت کرتا ہے، وہ گھوڑا اس احسان کا اتنا بڑا بدلہ دیتا ہے کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے مالک کو بچاتا ہے۔ اہل عرب سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس گھوڑے کو استعمال کرتے ہو، اس کی وفاداری سے فائدہ اٹھاتے ہو، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا معاملہ پیش آتا ہے، جو تمہارا خالق بھی ہے، تمہارا مالک بھی ہے، جو تمہارا پالنے والا ہے، تو تم اس کے ساتھ وفاداری کا معاملہ نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ ناشکری کا معاملہ کرتے ہو۔ یہ تعلق ہے اس گھوڑے کا ناشکری کے ساتھ، جس کی وجہ سے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی۔

نعمتوں کے انبار میں انسان پل رہا ہے

یہ جو فرمایا کہ ''انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہا ہے، پیدائش سے لے کر مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس پر بارش کی طرح برس رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود عطا فرمایا، اور اس کو نشو نما کے مواقع عطا فرمائے، جسم عطا فرمایا، جسم میں طاقت عطا کی، کام کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں دیے، دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں، بات کرنے کیلئے زبان عطا کی، سننے کیلئے کان عطا کئے، اس کو رزق بخشا،

اس کو اولاد دی، غرض یہ کہ نعمتوں کا ایک جہان ہے جس میں ہر انسان ہر وقت پَل رہا ہے۔

مشرکین عرب کا عقیدہ

لیکن انسان طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے، اور ناشکری کی سب سے بڑی صورت شرک ہے، یعنی ساری نعمتیں تو اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں، لیکن انسان ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے کسی اوری طرف منسوب کرتا ہے، خاص طور پر مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنایا، آسمان بنایا، زمین بنائی، لیکن اللہ تعالیٰ یہ سب کائنات بنانے کے بعد فارغ ہو کر بیٹھ گیا ہے، اور بعد کے جو کام ہیں، جیسے رزق دینے کا کام، صحت دینے کا کام، اولاد دینے کا کام وغیرہ، یہ سب اس نے مختلف دیوتاؤں کے سپرد کر دیے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب نے اپنے اپنے من گھڑت دیوتاؤں کی طرف ان کاموں کو منسوب کرکے ان کے الگ الگ نام رکھے ہوئے تھے، کسی کا نام ''لات'' کسی کا نام ''عزّٰی'' کسی کا ''منات''۔ اور یہ کہتے تھے کہ اب خدائی کے جو کام ہو رہے ہیں، وہ یہ بت انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے رزق دیا، لیکن اس کو ان دیوتاؤں کی طرف منسوب کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اولاد دی، لیکن اسکو ان دیوتاؤں کی طرف منسوب کر دیا، کہ یہ ''لات'' کی عطا ہے، یہ ''منات'' کی عطا ہے، یا ''عزّٰی'' کی عطا ہے۔

اہل عرب اور اللہ کی بہت بڑی ناشکری

اور پھر عبادت بھی انہی دیوتاؤں کی کی جارہی ہے، انہی کو سجدہ کیا جارہا ہے، دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن عبادت ان بتوں کی کی جارہی ہے، اور ان کی ناشکری کا عالم یہ ہے جیسا کہ قرآن کریم نے کئی جگہوں پر اس کا ذکر فرمایا کہ یہی اہل عرب جو بتوں کو پوجتے ہیں، اور ان کو خدائی اختیارات کا حامل قرار دیتے ہیں، جب یہ اہل عرب کشتیوں پر سمندر کا سفر کرتے ہیں، اور کشتیاں ہوا کے دوش پر چلتی ہیں، اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے، اور پہاڑ کے برابر موجیں کشتیوں کے آگے پیچھے آنے لگتی ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ اب کشتی ڈوبی، تب ڈوبی، اس وقت ان کو نہ ''لات'' یاد آتا ہے، نہ ''منات'' یاد آتا ہے، اور نہ کوئی دوسرا بت یاد آتا ہے، اس وقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ یا اللہ! ہم اس مصیبت میں پھنس گئے ہیں، یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرمادیجئے، اور بعض اوقات یہ دعوہ بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے ہمیں اس طوفان سے نجات دیدی، اور ہم خشکی تک پہنچ گئے، تو پھر آئندہ ہم صرف آپ ہی کی عبادت کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دی کر خشکی تک پہنچا دیتے ہیں تو پھر دوبارہ اسی طرح ''لات'' اور ''عزّیٰ'' اور ''منات'' کی عبادت شروع کردیتے ہیں۔

یہ بدترین ناشکری ہے

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ بلیغ انداز میں فرماتے ہیں کہ بندہ ہمیں مصیبت میں

پکارتا تو ہے، جب اس پر سارے راستے بند ہو جاتے ہیں، اور کوئی طریقہ کارگر ہوتا نظر نہیں آتا، اس وقت ہمیں پکارتا تو ہے، لیکن

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط (یونس: ۱۲)

جب ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی اس تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے جیسے کبھی اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے ہمیں پکارا ہی نہ تھا، اور کبھی ہم سے دعا بھی نہیں کی تھی۔ بہرحال! ناشکری کی سب سے بدترین شکل یہ ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرے، یعنی اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں استعمال کر رہا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھنے کے بجائے ان کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے اس کی عبادت کرے، اور اس کی پرستش کرے، جیسا کہ عرب کے مشرکین کیا کرتے تھے، بدترین ناشکری تو یہ ہے۔

کفر کے معنی ''ناشکری''

اسی لئے اس قسم کی جتنی مشرکانہ حرکات ہیں، اس کو ''کفر'' کہا گیا ہے، اور جو آدمی ایسی حرکتیں کرے، وہ کافر ہے، اور کفر کے لفظی معنی ''ناشکری'' کے ہیں، اور کافر کے لفظی معنی ناشکرے آدمی کے ہیں، چونکہ وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے کسی اور کی طرف منسوب کر رہا ہے، اس لئے اس کے اس عمل کو کفر اور اس کے کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے۔

مسلمانوں کی رسمیں شرک تک پہنچی ہوئی ہیں

اور افسوس یہ ہے کہ مشرکین اور کافروں میں تو یہ بات تھی ہی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے تھے، مرادیں کسی اور سے مانگا کرتے تھے، اور اس کو کارساز سمجھتے تھے، اس کو مشکل کشا سمجھتے تھے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان کہلانے کے بعد، اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پر ایمان لانے کے بعد جس میں یہ اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس اعلان کے بعد بھی مسلمانوں کے اندر ایسی رسمیں سرایت کر گئی ہیں، جو شرک تک پہنچی ہوئی ہیں، بظاہر ان کا دعوی یہ ہے کہ ہم اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرتے ہیں، ان سے عقدیت رکھتے ہیں، اور اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرنا، ان سے عقدیت رکھنا تو ایمان کا حصہ ہے، اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء عظام، اللہ کے ولی، بزرگان دین وغیرہ، ان سب کی عزت، ان کا احترام، ان کی عقدیت، ان سے محبت ہمارے ایمان کا جز ہے۔

عقیدت اور محبت کے نام پر شرک

لیکن اس عقدیت اور محبت کے نام پر بعض اوقات انسان شرک تک پہنچ جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ دیکھو! تم سے پہلے یہودی اور نصرانی گزرے ہیں، اور اب بھی موجود ہیں، انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں

سے عقدیت اور محبت کا دعوی کرتے ہوئے ان کو اتنا اونچا مقام دینے کی کوشش کی جو درحقیقت خدائی کا مقام ہے، مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، لیکن انہوں نے ان کو خدا قرار دیدیا، یا خدا کا بیٹا قرار دیدیا، بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیدیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! تم یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح مت کرنا، یعنی میری تعریف میں اتنے مبالغے مت کرنا، جیسا کہ یہود و نصاری نے اپنے پیغمبروں کی تعریف میں کیئے کہ ان کو خدا سے ملا دیا، میں تو توحید کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس کائنات میں خالق اور مالک تنہا اللہ تعالیٰ ہے۔

محبت کے نام پر مجھے اللہ سے مت ملا دینا

مجھ پر جو قرآن کریم نازل کیا گیا ہے، ان میں سورۃ الفاتحہ کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ہم سے اقرار کروایا ہے کہ :

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس لئے میرا تو بنیادی پیغام ہی توحید ہے، اور شرکت کی مخالفت ہے، اگر تم عقدیت اور محبت کے نام پر مجھے خدا سے ملا دو گے تو یہ وہی عمل ہوگا جو یہود و نصاری نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا تھا۔ جن سید الکائنات، فخر موجودات، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں یہ بات فرما رہے ہیں تو دوسرے

بزرگوں کا معاملہ تو اور زیادہ اھون ہے۔

دینے والے اللہ ہیں

ایک موقع پر مسلمانوں نے کفار کے ساتھ جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اور مال غنیمت حاصل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال غنیمت صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا، جس کیلئے جتنا مناسب سمجھا، اس کو اتنا مال غنیمت عطا فرمایا، جب تقسیم فرما چکے تو اس وقت آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ مُعْطِیْ

یعنی تمہارے دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ یہ جو مال غنیمت میں دے رہا ہوں، یہ میں دے رہا ہوں، نہیں۔ بلکہ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، حقیقت میں دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے صحابہ کرام کو عطا فرمایا، لیکن تنبیہ فرمادی کی عطا کی نسبت میری طرف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا، کیونکہ میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔

''داتا'' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں

لیکن ہم میں سے بہت سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے سبق لینے کے بجائے بزرگان دین اور اولیاء کرام کو عقدیت اور محبت کے نام پر ان کے ساتھ وہ معاملہ شروع کردیا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ سے

کرنا چاہیے تھا۔ مثلاً یہ کہ بزرگ ''داتا'' ہیں، ''داتا'' کے معنی ہیں رزق دینے والا، اولاد دینے والا، بیماریوں سے شفا دینے والا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمارہے ہیں کہ مجھے بھی ''داتا'' مت کہنا، ''داتا'' تو صرف ایک ذات ہے، اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ لیکن ہم نے یہ کہنا شروع کردیا کہ فلاں بزرگ فلاں صوفی داتا ہے، اور ان کے مزارات پہ جاکر دعائیں مانگی جاتی ہیں کہ اے داتا! مجھے فلاں چیز دیدے، داتا! مجھے رزق دیدے، داتا! مجھے اولاد دیدے، یہ باتیں ناواقفیت کی وجہ سے اتنی پھیل گئی ہیں کہ اگر کسی کے ہاں اولاد نہیں ہورہی ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ فلاں داتا کے مزار پر جانا، اور ان سے اولاد مانگنا، وہ تمہیں اولاد دیں گے۔ العیاذ باللہ۔

یہ ناشکری مسلمانوں میں بھی پھیل گئی ہے

یہ وہی ناشکری ہے جس کا ذکر اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ ''کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اس لئے کہ دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، رزق دیتا ہے تو اللہ دیتا ہے، اولاد دیتا ہے تو اللہ دیتا ہے، شفا دیتا ہے تو اللہ دیتا ہے، کارساز ہے تو وہ ہے، مشکل کشا ہے تو وہ ہے، لیکن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہوئے ، اللہ تعالیٰ کے سواء دوسروں کو کارساز اور مشکل کشا، حاجت روا، داتا بنالیا ہے، اللہ بچائے، یہ شرک والی ناشکری صرف کفار ہی کے اندر نہیں، بلکہ اسلام کا دعوی کرنے والوں کے

اندر بھی پھیل گئی ہے، بھائی! جب اس بات پر ایمان لے آئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر دوسروں کی عبادت کرنے کا کیا سوال؟

مزارات پر سجدے

یہ منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر نہ صرف مانگتے ہیں بلکہ ان مزارات پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ پیشانی اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ کسی اور کے سامنے ٹیکنے کی اجازت نہیں دی، اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ کرنا جائز ہوتا تو سرکار دو عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اس کا حق دار نہیں تھا، لیکن آپ کے کسی صحابی نے کبھی بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ نہیں کیا۔ لیکن یہاں پر اولیاء کی قبروں کو سجدے ہو رہے ہیں۔ اللہ بچائے۔ یہ باتیں آج ہمارے معاشرے کے اندر پھیل گئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسی کا شکوہ فرما رہے ہیں کہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾'' کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے کہ دینے والی ذات تو وہ ہے، لیکن تم نے ''داتا'' کسی اور کو بنا رکھا ہے۔

مزارات پر جا کر اللہ تعالیٰ سے مانگے

اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ یہ جتنے بزرگان دین ہیں، اولیاء کرام ہیں، یہ سب ہمارے سروں کے تاج ہیں، ان کی اتباع کرنا، اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا، ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لئے موجب نجات ہے۔ لہٰذا

اگر کوئی شخص ان اولیاء کرام کے مزار پر سلام عرض کرنے کے لئے گیا ہے، تو وہاں جا کر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! یہ آپ کے محبوب اور نیک بندے کا مزار ہے، ان کی آرام گاہ ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ آپ کی رحمتیں ان پر برستی ہوں گی، میں بھی آپ کی رحمتوں کا امیدوار ہوں، اپنے فضل وکرم سے مجھ پر رحم وکرم فرما کر فلاں چیز مجھے عطا فرمادے۔ اس طرح اگر کوئی شخص دعا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے مانگا جا رہا ہے، لیکن اس قبر والے سے مانگنا، اور اس کو داتا سمجھنا، اور براہ راست اس سے مانگنا یہ انسان کو شرک تک پہنچا دیتا ہے۔

ناشکری کی تین قسمیں

بہر حال! بندے کی طرف سے سب سے اعلیٰ ترین، اور بدترین ناشکری یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے بجائے کسی بندے سے اور کسی مخلوق سے مانگے، اور اس بندے کو ''داتا'' سمجھے۔ یہ ناشکری کی پہلی قسم ہے، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے کہ :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿٦﴾

''انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے''

دوسری قسم ناشکری کی یہ ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے استعمال کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے، اگر انسان اس نعمت کو غلط اور

ناجائز طریقے سے استعمال کرے تو یہ دوسری ناشکری ہے۔ اور ناشکری کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اندر پل رہا ہو، بڑھ رہا ہو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہوں، لیکن وہ انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو، اور غفلت کے اندر مبتلا ہو، یہ تیسری ناشکری ہے۔ آج ناشکری کی پہلی قسم کا بیان ہوا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بات کو اچھی طرح ہمارے دلوں میں بٹھادے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہ کارساز ہے، نہ مشکل کشا ہے، نہ حاجت روا ہے، نہ داتا ہے، جو کچھ ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ باقی ناشکری کی جو دو قسمیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو آئندہ جمعوں میں ان کے بارے میں کچھ عرض کرنے کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ناشکری کی دوسری قسم

نعمتوں کا غلط استعمال

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝
وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
الْقُبُوْرِ ۝ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ
يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ،
وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ
الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سوۂ عادیات ہے، جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جیسا شکر ادا کرنا چاہیے، ویسا شکر ادا نہیں کرتا۔ اور اس کے ذریعہ درحقیقت اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بندے کو ناشکری کا یہ طریقہ چھوڑنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا چاہیے۔

ناشکری کا دوسرا طریقہ

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے تین طریقے ہیں، ایک یہ کہ نعمتیں تو اللہ تعالیٰ نے عطا کیں، لیکن انسان اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنا لے، اور اس کی تعظیم و تکریم کرے، اور اسی کی عبادت

کرے، ایک ناشکری کا طریقہ تو یہ ہے۔ اس کا بیان بقدر ضرورت گزشتہ جمعہ کو ہوگیا۔ ناشکری کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمت دی ہے، وہ خاص حکمت اور مصلحت کے مطابق دی ہے، اور اس کی خاص ضروریات کو پوری کرنے کے لئے دی ہے، اب بندہ اس نعمت کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کے بجائے اس کو غلط مصرف پر خرچ کرتا ہے، وہ مصرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مصرف ہے، یہ دوسری قسم کی ناشکری ہے، اور بہت بڑی ناشکری ہے۔

ناشکری کی مثال

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے آپ پر احسان کرتے ہوئے کوئی سواری دیدی، مثلاً گاڑی دیدی، یا موٹر سائیکل دیدی، اور مقصد دینے کا یہ تھا کہ آپ اس پر سوار ہو کر اپنے ضروری کام انجام دیں۔ مثلاً آپ اپنی ملازمت کے لئے دفتر جائیں، رشتہ داروں یا دوست احباب سے ملاقات کے لئے اس پر چلے جائیں، لیکن اس نے ساتھ میں یہ کہہ دیا کہ اس گاڑی کو احتیاط سے استعمال کرنا، اور دوسرے یہ کہ اس کو میرے خلاف بغاوت میں استعمال مت کرنا، اب اگر وہ شخص اس گاڑی کو اپنے ضروری کاموں میں استعمال کرنے کے بجائے اس دینے والے کے خلاف سازش کرنے میں استعمال کرنے لگے، تو یہ اس نعمت کی بدترین ناشکری ہے۔ اس شخص نے تو آپ پر احسان کیا تھا، اور آپ کے آرام اور راحت کے لئے آپ کو گاڑی دی تھی، لیکن آپ نے اس گاڑی کو اسی کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا، اس کی نافرمانی میں استعمال کرنا شروع کردیا تو

یہ اس نعمت کی بدترین ناشکری ہے۔

نعمت کو ناشکری میں استعمال کرنا ناشکری ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ سب نعمتیں اس لئے عطا فرمائی ہیں تاکہ ہم ان کو اپنی ضروریات میں استعمال کریں، اور اپنی مصلحتوں میں استعمال کریں، لیکن ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ نے کچھ پابندیاں لگادی ہیں کہ فلاں فلاں کاموں میں اس نعمت کو استعمال نہیں کرنا، اب اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ان کاموں میں استعمال کر رہا ہے تو وہ اس کی ناشکری کر رہا ہے۔

آنکھ ایک عظیم نعمت

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لئے آنکھ عطا فرمائی ہے، یہ نعمت اس لئے دی ہے تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنی حاجتیں پوری کرو، اور یہ بہت عظیم نعمت ہے، اس نعمت کی ہمیں اس لئے قدر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ نعمت ہمیں مفت مل گئی ہے، اور بغیر کسی تکلیف کے مل گئی ہے، اس شخص سے اس کی قدر پوچھو جس کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، جو نابینا ہے، اگر آنکھ کے اندر کوئی تکلیف ہوگئی، اور اس کی وجہ سے وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا، تو وہ ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر کے بھی اس کی بینائی اس کو واپس مل جائے تو وہ اس کو غنیمت سمجھے گا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں مفت دے رکھی ہے، اور دن رات ہم اس نعمت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور یہ نعمت اس لئے دی ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنی

ضروریات پوری کریں، اور اپنی مصلحتوں میں استعمال کریں۔

آنکھ کا غلط استعمال

لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ پابندی لگادی ہے کہ دیکھو! اس نگاہ کو غلط استعمال نہیں کرنا، یعنی ایسے کاموں میں استعمال نہیں کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں، یا جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، مثال کے طور پر اگر اس آنکھ کو کسی نامحرم کو لذت حاصل کرنے کی خاطر دیکھنے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے، یہ بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت تمہیں مفت دیدی تھی، لیکن تم اس کو اس کام میں استعمال کر رہے ہو جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

نگاہ کا صحیح استعمال یہ ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص گھر میں داخل ہو، اور اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھے، اور بیوی شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھے، تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اب یہ اللہ تعالیٰ نے اس آنکھ کے استعمال کا جائز راستہ رکھا ہے کہ اس کے ذریعہ تم اپنی خواہش بھی پور کر سکتے ہو، اور اپنی ضرورت بھی پوری کر سکتے ہو، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بھی ہو سکتے ہو۔ یہ نگاہ کا صحیح استعمال ہے، لیکن اگر یہی نگاہ کسی نامحرم پر لذت لینے کی غرض سے ڈالی جائے تو یہ نگاہ کا غلط

استعمال ہے، جس کو حدیث میں فرمایا گیا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔

دوسرا شخص اس کو کیسے پسند کرے گا

فرض کرو کہ اگر میں یہ کام کر رہا ہوں، اور کسی نامحرم کو لذت لینے کے لئے شہوت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص میری بیوی کو اس طرح دیکھے، یا میری بہن کو اس طرح دیکھے، یا میری ماں کو اس طرح دیکھے، تو اس وقت مجھ پر کیا گزرے گی؟ اگر کسی انسان کو پتہ چل جائے کہ اس کی بیوی کو، یا اس کی بہن کو، یا اس کی بیٹی کو یا اس کی ماں کو دوسرا شخص بری نگاہ سے دیکھ رہا ہے، تو اس کے دل پر کیا گزرے گی، اور وہ اس شخص کا منہ نوچنے کے لئے تیار ہو جائے گا، جب میں اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میری بیوی کو، میری بہن کو، میری ماں کو، میری بیٹی کو کوئی بری نگاہ سے دیکھے، تو دوسرا شخص اس بات کو کیسے پسند کرے گا کہ اس کی بہن، بیٹی کو غلط نگاہ سے دیکھوں۔ یہ کتنی بڑی ضلالت اور کمینگی کی بات ہے۔ آدمی اس پر غور کرے۔

مجھے زنا کی اجازت دید یجئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے، آپ کے بارے میں ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے دین میں جتنے احکام ہیں، میں ان سب کو دل سے تسلیم کرتا ہوں، بلکہ وعدہ کرتا ہوں کہ ان پر

مکمل عمل کروں گا، لیکن ایک عمل ایسا ہے، جسے میں چھوڑ نہیں سکتا، وہ ہے ''زنا'' اس لئے کہ میں زنا کاری کا عادی ہوں، اور یہ لت مجھے ایسی لگی ہوئی ہے کہ میں اسے چھوڑ نہیں سکتا، لہٰذا آپ مجھے زنا کی اجازت دیدیجئے۔

اجازت بھی کس ذات سے؟

آپ اندازہ لگائیے کہ ان صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی، اور ایسے کام کی اجازت مانگی جس کام کو ساری دنیا کے مذاہب بدترین گناہ سمجھتے ہیں، اور اجازت بھی اس ذات سے مانگی جارہی ہے، اس سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگی جارہی ہے، جس کی عفت وعصمت کے آگے فرشتے بھی شرمائیں، ان سے فرمارہے ہیں کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیدیجئے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو غصہ میں آجاتا، اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا، اور ہوسکتا تھا کہ اس کو مار بیٹھتا کہ تم مجھ سے کس چیز کی اجازت مانگ رہے ہو؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھانے کا پیارا انداز

لیکن یہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ آپ جانتے تھے کہ یہ شخص اپنے طور پر وفادار ہے، مسلمان ہے، اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اور اپنی بندگی کا اقرار کررہا ہے، لیکن ایک غلط عادت میں پھنسا ہوا ہے، اس لئے اس کو سختی کے بجائے نرمی کی ضرورت ہے، چنانچہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ، اور خلوت

میں جا کر اس سے کہا: کہ تمہیں اس کام کی جولت پڑی ہوئی ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں کے ساتھ اس کام کے کرنے کی اجازت مانگے کہ مجھے اپنی ماں کے ساتھ یہ کام کرنے کی اجازت دیدو، کیا تم اس کو اجازت دو گے؟ اس شخص پر ایک لرزہ سا طاری ہوا، اور کہا: کہ یا رسول اللہ! میں تو اس کام کی اجازت نہیں دوں گا۔ پھر فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی تمہاری بہن کے ساتھ اس کام کے کرنے کی اجازت مانگے، کیا تم اس کام کی اجازت دو گے؟ اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ اس کام کے کرنے کی اجازت مانگے؟ کیا تم اس کو اس کام کی اجازت دو گے؟ اس نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ۔ کہا کہ جب دوسروں کو اس کام کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہو کہ کوئی تمہاری ماں، تمہاری بیٹی، تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو تم بھی جس کے ساتھ یہ کام کرو گے، وہ بھی کسی کی ماں، کسی کی بہن، اور کسی کی بیٹی ہوگی، کیا ان کے ساتھ اس کام کے کرنے کی مجھ سے اجازت مانگتے ہو؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! بات سمجھ میں آگئی، میں توبہ کرتا ہوں، آج کے بعد یہ عمل نہیں کروں گا۔ اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اس عمل سے روک دیا۔

نگاہ ڈالتے وقت یہ سوچ لو

یہ ایک ایسی بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھادی، جو ہم سب کے لئے ایک مشال راہ ہے کہ ہم نگاہ کو غلط استعمال کرنے کا جو کام کرتے ہیں،

اس کے بارے میں یہ سوچ لو کہ کوئی دوسرا شخص اگر ہماری کسی عزیز خاتون کے ساتھ یہ کام کر رہا ہو تو ہم اس کو اس کام کی کس طرح اجازت دیں گے؟ یہ نگاہ کا بدترین استعمال ہے، اور اس نگاہ کی نعمت کی بدترین ناشکری ہے۔

یہ نفس وشیطان کا دھوکہ ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نگاہ کو روکنا ہمارے قابو سے باہر ہے، ہم اپنے جذبات اور خواہشات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ سب نفس و شیطان کا دھوکہ ہے، ایک مرتبہ انسان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر عزم کر لے، اور عزم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں نے اپنی طرف سے عزم کر لیا ہے، لیکن میں آپ کی توفیق کے بغیر اس عزم پر قائم نہیں رہ سکتا، آپ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس پر ثابت قدمی عطا فرمایئے، تو پھر اللہ تعالیٰ ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان کی حلاوت عطا فرماتے ہیں

اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہارا دل کسی غلط چیز کو دیکھنا چاہ رہا ہو، اور دل مچل رہا ہو، اور تم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنی نگاہ کو وہاں سے ہٹا دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائینگے کہ اسکے مقابلے میں بدنظری کی لذت ہیچ در ہیچ ہوگی، اللہ تعالیٰ پاک دامن اور عفت کے ساتھ رہنے والوں کو جو حلاوت ایمان عطا فرماتے ہیں، وہ گناہوں کی

لذت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین

کیا مالک کی خاطر نظر نہیں ہٹا سکتے؟

لہٰذا یہ شیطان اور نفس کا بہت بڑا دھوکہ ہے کہ اپنی خواہشات پر ہمارا قابو نہیں چلتا، فرض کرو کہ جس وقت تم یہ عمل کر رہے ہو، اگر اسی وقت تمہیں پتہ چل جائے کہ میرا باپ مجھے یہ عمل کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے، یا میرا استاذ مجھے دیکھ رہا ہے، یا میرا بیٹا مجھے دیکھ رہا ہے، اور ان سب کے سامنے میرا پول کھل جائے گا، کیا اس وقت بھی دل کا مچلنا باقی رہے گا؟ یقیناً اس وقت تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا کہ تم اپنی نگاہ کو اس غلط جگہ سے ہٹالو۔ اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ اگر میرے بیٹے کو میرے اس عمل کے بارے میں پتہ چلے گا تو وہ یہ سوچے گا کہ میرا باپ کیسا بدطینت ہے، معلوم ہوا کہ نظر کو ہٹانا قابو سے باہر نہیں تھا، قابو میں تھا، تبھی تو نظر کو ہٹایا، اور اس لئے ہٹایا کہ اگر میں نظر کو نہیں ہٹاؤں گا تو میری بدنامی ہوگی، اور دنیا کے لوگ مجھے برا کہیں گے، جب دنیا کی خاطر نظر کو ہٹا سکتے ہو، اور مخلوق کی خاطر نظر کو ہٹا سکتے ہو، کیا اپنے مالک کی خاطر نہیں ہٹا سکتے ہو؟

اپنی ہمت کو استعمال کرو

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ''ہمت'' عطا فرمائی ہے، اور اس ہمت کے

ذریعہ وہ بڑے سے بڑا کام کر لیتا ہے، اور بڑے سے بڑے کام سے رُک جاتا ہے، تم بھی اس ہمت کو استعمال کرو، اور اس ہمت کو استعمال کر کے اپنے آپ کو اس بدنظری کے گناہ سے بچاؤ، تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت کی ناشکری کا وبال تمہارے اوپر نہ آئے۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾'' کہ انسان تو اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ یہ تو آنکھ کی نعمت کی مثال میں نے آپ کو دی۔

زبان عظیم نعمت

اسی طرح یہ ''زبان'' کی نعمت ہے، جب سے بچہ بولنا سیکھتا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی یہ مشین چل رہی ہے، اس کو چلانے کے لئے کوئی سوئچ آن نہیں کرنا پڑتا، اس کو چلانے کے لئے سروس کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نعمت مفت دے رکھی ہے، جن کو یہ نعمت نصیب نہیں ہے، جن کے اندر بولنے کی طاقت نہیں ہے، گونگے ہیں، یا ان کی زبان میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے وہ بولنے پر قادر نہیں ہوتے، اپنے دل کی بات دوسروں کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتے، ان کی بے چینی کو دیکھو کہ کیسی ہوتی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت مفت دے رکھی ہے۔

زبان کا صحیح استعمال

زبان اس لئے دی ہے کہ اس نعمت کو تم جائز کاموں میں استعمال کرو، اس

کے ذریعہ تم اپنی ضروریات پوری کرو، اپنی جائز حاجات کے لئے تم اس کو کام میں لاؤ۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ زبان اس لئے دی ہے کہ اس کو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر میں استعمال کرو، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں استعمال کرو، اگر ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' تمہاری زبان سے اخلاص کے ساتھ نکل جائے، تو اس سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، یہ اتنی بڑی نعمت ہے۔ اسی زبان کے ذریعہ بندہ کلمہ توحید پڑھتا ہے، اسی کے ذریعہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے، تو اس کے ذریعہ جہنم کے ساتویں طبقے سے نکل کر جنت کے اعلیٰ ترین طبقے میں پہنچ جاتا ہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ زبان ہی سے تو کہا، جس کے نتیجے میں کافر سے مسلمان ہو گئے، جہنمی سے جنتی بن گئے، اور اللہ تعالیٰ کے مردود بندے بننے سے نکل گئے، اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بن گئے، یہ سب اسی زبان ہی کی برکت تو ہے۔

زبان کے ذریعہ دوسروں کا دل ٹھنڈا کرو

اس زبان کے ذریعہ تم لوگوں کا دل ٹھنڈا کردو، کسی کی تکلیف دور کردو، تو یہ بہت بڑا صدقہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی بندہ کسی دوسرے مسلمان سے کوئی اچھی بات کرلے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے، یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے، جو ثواب صدقہ کا ہے، ایک مسلمان کا دل خوش کرنے کا بھی وہی ثواب ہے۔ مثلاً ایک غم زدہ شخص ہے، تم اس کو تسلی کا کلمہ اپنی زبان سے کہہ

دو، اس کے نتیجے میں اس کے دل میں ٹھنڈک پڑے گی، اور تمہارے لئے صدقہ ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

مَنْ عَزّٰى ثَكْلٰى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ

یعنی جو شخص کسی ایسی عورت کو تسلی دے جس کا بچہ کھو گیا ہو، یا اس کا بچہ مر گیا ہو، اس وقت ماں کی بیتابی اور بے چینی کا، اس کے صدمے اور اس کے غم کا کیا عالم ہوگا؟ اس حالت میں اگر تم کوئی تسلی کی بات اس سے کرلو، تو ایسے شخص کو جنت میں اعلیٰ ترین چادریں پہنائی جائیں گی، اب یہ زبان ہی ہے، جس نے اس کے دل میں ٹھنڈک ڈال دی، اور تسلی کا کلمہ کہہ دیا۔ لہٰذا یہ زبان عظیم نعمت ہے۔

زبان کا غلط استعمال

لیکن اسی زبان کو اگر تم جھوٹ بولنے میں استعمال کرو، یا اگر اس کو دوسروں کی غیبت کرنے میں استعمال کرو، یا اگر اس کو دھوکہ دینے میں استعمال کرو، یا اس کو دوسروں کا دل دکھانے میں استعمال کرو، تو یہ اس نعمت کی بہت بڑی ناشکری ہے، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرانے والی کوئی چیز اتنی زیادہ سخت نہیں، جتنی انسان کی زبان ہے، یعنی جہنم میں جانے والے انسانوں میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوگی، جنہوں نے اپنی زبان کو غلط استعمال کیا، جھوٹ بولا، دھوکہ دیا، فریب کیا، دوسروں پر غلط غلط الزام لگائے، غیبتیں کیں، بہتان تراشی کی، دوسروں کا دل دکھایا، اس کے نتیجے میں ان لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں گرا

دیا جائے گا۔

خلاصہ

بہر حال! یہ زبان عظیم نعمت ہے، اگر اس نعمت کو صحیح استعمال کر رہے ہو تو یہ اس نعمت کا شکر ہے، اور اگر اس کو غلط کاموں میں اور ناجائز کاموں میں استعمال کر رہے ہو، تو یہ اس نعمت کا غلط استعمال ہے، اور یہ اس نعمت کی بدترین ناشکری ہے۔ اس آیت ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ'' میں اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال کرتا ہے، اور ناجائز کاموں میں استعمال کرتا ہے۔ یہ ''ناشکری'' کے دوسرے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس ناشکری سے محفوظ رکھے، اور ان نعمتوں کا صحیح شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ باقی مزید تفصیل انشاء اللہ، اللہ نے زندگی دی تو آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

پورا جسم ایک عظیم کارخانہ

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَھِیْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی

الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمِ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! آج مجھے پہنچنے میں تاخیر ہوگئی ہے، اور اب تھوڑا وقت باقی ہے۔ سورۂ عادیات کا بیان گذشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اس سورت کی آیت ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾'' کی کچھ تفصیل میں آپ حضرات کی خدمت میں عرض کر رہا تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، ''کَنُوْد'' کے معنی ہیں ''ناشکرا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ شکر ادا نہ کرنے کے تین مطلب ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ نعمت تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی، اور آدمی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے، مثلاً روزی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، رزّاق وہ ہے، رزق دینے والا وہ ہے، لیکن آدمی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور مخلوق کو اپنا رازق قرار دیدے، اسی طرح حاجت روا اور مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن آدمی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو حاجت روا، مشکل کشا، کارساز قرار دے، نعمت کی سب سے بڑی ناشکری یہ ہے۔

جسم کا ایک ایک حصہ عظیم نعمت

نعمت کی دوسری ناشکری یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کو صحیح استعمال کرنے کے بجائے ان کو غلط استعمال کرے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرے، یہ دوسرے درجے کی بڑی زبردست ناشکری ہے، اگر ہم اپنی زندگی میں غور کریں تو صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی بارش ہم پر برس رہی ہے، اپنے جسم پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچ چھ فٹ کا جو وجود ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کی ایک ایک کل ایسی ہے کہ اگر اس پر غور کرو تو وہ پوری ایک کائنات ہے، آج تک ہزار ہا سال سے انسان اپنے جسم کی مختلف کلوں پر غور اور تحقیق کرتا چلا آرہا ہے، لیکن اب تک ان کی تحقیق مکمل نہیں کر سکا، جسم کے نہ جانے کتنے حصے ایسے ہیں کہ ساری دنیا کے ڈاکٹر، طبیب، معالج اور سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی پوری کیفیت ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ہے۔

ہر عضو ایک کارخانہ ہے

جب آدمی بیمار پڑ جاتا ہے، اور کسی عضو میں کوئی خرابی آجاتی ہے، تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی عظیم نعمت تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کیسا کارخانہ لگایا ہوا ہے، اس وقت انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت کے لئے اور ہماری صحت کے لئے کیسا عظیم محیر العقول نظام بنایا ہوا ہے،

آنکھ ہو، کان ہو، ناک ہو، ہاتھ ہوں، پاؤں ہوں، دل ہو، زبان ہو، جگر ہو، گردہ ہو، جتنے بھی اعضاء ہیں، وہ ایک پورا کارخانہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہاں لگا کر رکھا ہے۔

مصنوعی گردے کے لئے دماغ کہاں سے لائیں؟

ایک مرتبہ ایک ڈاکٹر صاحب سے جو گردے کے ٹرانس پلانٹ کا کام کرتے تھے، یعنی گردے کی تبدیلی کا عمل کیا کرتے تھے، ان سے میں نے پوچھا کہ آپ ایک انسان کا گردہ دوسرے انسان میں منتقل کرتے ہیں، شرعی اعتبار سے بھی یہ معاملہ قابل غور ہے، تو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس طرح اور اعضاء مصنوعی بنا کر لگا دیے جاتے ہیں، کیا مصنوعی گردہ بنا کر نہیں لگایا جا سکتا؟ ان ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ گردے کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ایسی باریک چھلنی رکھی ہے کہ اس جیسی باریک چھلنی بنانا انسان کے قبضۂ قدرت میں نہیں، اور اگر بالفرض ایسی چھلنی بنا بھی لی جائے تو اس کے بنانے کے لئے کروڑوں کا پلانٹ لگانا پڑے گا، اور وہ پلانٹ کئی میلوں کے رقبے میں پھیلا ہوا ہوگا، اور اگر بالفرض وہ بھی بنا دیں تو گردے کے اند ایک چیز ایسی ہے جس کو مصنوعی بنانا ممکن ہی نہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے گردے کو ایک دماغ عطا کیا ہے، وہ دماغ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کتنا پانی انسان کے جسم میں باقی رکھنا چاہیے، اور کتنا پانی پیشاب کے ذریعہ خارج کر دینا چاہیے، یہ ایک خود کار میٹر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس گردے کے اندر لگایا ہوا ہے، کیونکہ ہر انسان کے جسم کو

پانی کی بھی ضرورت ہے، اگر جسم میں پانی نہ ہو تو آدمی مر جائے، یہ فیصلہ گردہ کرتا ہے، اور گردے کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دماغ رکھا ہے، جو فیصلہ کرتا ہے، لہٰذا ہم ربر کا مصنوعی گردہ بنا بھی لیں تو وہ دماغ کہاں سے لائیں گے جو یہ فیصلہ کرے گا۔

''پیاس'' ایک میٹر ہے

اب آپ غور کریں کہ جسم کو ہر وقت بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے، مثلاً ہمارے جسم کو پانی کی ضرورت ہے، لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے جسم میں پانی کم ہو رہا ہے، یا زیادہ ہو رہا ہے، جتنے پانی کی ضرورت ہے، اتنا موجود ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک پیاس عطا فرمادی ہے، اب پیاس لگتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ پانی پیو، اب ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارا منہ خشک ہو رہا تھا، لہٰذا ہم نے پانی پی لیا، اور اپنی پیاس بجھادی، لیکن حقیقت میں اس وقت ہمارے جسم کو پانی کی ضرورت ہو رہی تھی، اور ہمیں احساس نہیں ہو رہا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پیاس پیدا کردی، تاکہ وہ ضرورت پوری ہو جائے۔

آنکھ ایک کارخانہ عجائب ہے

اگر انسان اپنے ایک ایک عضو پر غور کرے تو وہ حیران ہو جاتا ہے یہ پورا جسم محیر العقول کارخانہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرما رکھا ہے، اس آنکھ کے بارے میں ایک اسپشلسٹ بتا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک

ایسا نظام رکھا ہے کہ جب یہ آنکھ روشنی میں جاتی ہے تو سکڑ جاتی ہے، اور جب یہ آنکھ اندھیرے میں جاتی ہے تو پھیلتی ہے، یہ خود کار آٹو میٹک نظام ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آنکھ کے اندر رکھا ہے، کیونکہ اگر یہ آنکھ روشنی میں جا کر نہ سکڑے تو اس سے نظر نہیں آئے گا، اور اگر اندھیرے میں جا کر پھیلے گی نہیں تو بھی نظر نہیں آئے گا، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام رکھا ہوا ہے، اور اس سکڑنے اور اس پھیلنے کے عمل میں اس آنکھ کے اندرونی پٹھے سات میل کا سفر کرتے ہیں۔ اس طرح ایک ایک عضو کے اندر عجائب کا ایک کارخانہ ہے۔

اپنے وجود پر غور کرو

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾'' یعنی تم اپنے جسم پر، اپنے اعضا پر، اپنی جان پر، اپنے وجود پر ذرا غور کرلو تو تمہیں یہ نظر آجائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا کیا کرشمہ ہے۔ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو غلط جگہ پر استعمال کرے، ناجائز کاموں میں استعمال کرے، گناہوں میں استعمال کرے تو یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ مالک نے تو یہ کارخانہ مفت عطا کر رکھا ہے، جو کروڑوں اور اربوں خرچ کر کے بھی حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر بھی یہ وجود یہ جسم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال ہو تو کتنی بڑی ناشکری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾'' ہم نے تو اس کو یہ وجود اس لئے دیا تھا تاکہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرے، اپنی

مصلحت میں استعمال کرے، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں استعمال کرے، لیکن یہ انسان اس کو گناہوں میں استعمال کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کر رہا ہے، اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوگی؟

اعضاء کا غلط استعمال ناشکری ہے

بھائی! ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ ہمارے جسم میں جتنے اعضاء ہیں، آیا ان اعضا کو ہم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں استعمال کر رہے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں، اور معصیتوں میں استعمال کر رہے ہیں؟ مثلاً آنکھ غلط جگہ پر تو نہیں جا رہی ہے؟ زبان اللہ تعالیٰ نے جو عطا فرمائی ہے، یہ غلط کاموں میں تو استعمال نہیں ہو رہی ہے؟ یہ جھوٹ تو نہیں بول رہی ہے؟ یہ غیبت تو نہیں کر رہی ہے؟ کسی کی دل آزاری تو نہیں کر رہی ہے، یہ سب گناہ کے کام ہیں اور نعمت کی بڑی ناشکری ہے۔

مال و دولت کا غلط استعمال ناشکری ہے

اسی طرح ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ مال دیا ہے، رزق عطا فرمایا ہے، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، اس مال کو خرچ کرنے کے، اور مال کو حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ نے طریقے مقرر فرمائے ہیں کہ اس طرح مال حاصل کرو گے تو وہ مال حلال ہے، اور اگر اس طرح حاصل کرو گے تو وہ مال حرام ہے، اس طرح خرچ کرو گے تو حلال ہے، اس طرح خرچ کرو گے تو حرام ہے، اگر اس مال کی

نعمت کو انسان گناہوں کے کاموں میں استعمال کرے، مثلاً اس مال سے کوئی گناہ کی چیز خرید کر لے آئے، تاکہ گھر میں بیٹھ کر اس گناہ سے لطف اندوز ہو، تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی میں استعمال کیا جا رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بڑی زبردست ناشکری ہے، اس مال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نعم المال الصالح للرجل الصالح

''اگر حلال طریقے سے مال آیا ہو تو یہ مال نیک آدمی کے لئے بڑی اچھی چیز ہے'' اس لئے کہ وہ حلال طریقے سے حاصل ہوا، اور آدمی بھی نیک ہے، لہٰذا وہ اس مال کو صحیح کاموں میں اور صحیح مصرف میں استعمال کرے گا۔ اور اگر اس مال کو آدمی معصیت اور گناہوں کے کاموں میں استعمال کرے، مثلاً اس مال کے ذریعہ گندی فلمیں خرید کر لا رہا ہے، اور اس کو دیکھ رہا ہے، تو اس صورت میں ایک تو وہ مال جو اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی، اس آدمی نے اس نعمت کو گناہ کے کام میں خرچ کیا، دوسرے اپنی آنکھ کو جو اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی، اس حرام کام کے اندر استعمال کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

کھانوں کا ضیاع ناشکری ہے

تیسری بات یہ ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے تو اس نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کو مناسب مقدار میں فضول خرچی کے بغیر استعمال کرے۔ اگر

اس نعمت کو آدمی فضول ضائع کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں وہ نعمت کسی کے کام نہیں آرہی ہے، یہ بھی اس نعمت کی بہت بڑی ناشکری ہے، مثلاً ہم اپنی دعوتوں کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کتنا کھانا بچ جاتا ہے، اور وہ کھانا ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ کھانا نہ جانے کتنے بھوکوں کی بھوک مٹا سکتا تھا، کتنے لوگوں کی ضروریات پوری کر سکتا تھا، لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع اور برباد کر دیا، اور وہ نعمت کسی بھی مخلوق کے کام نہ آئی، اور گندے نالوں میں بہادی، اسی طرح ہوٹلوں میں جو کھانے استعمال کئے جاتے ہیں، اس کی کتنی بڑی مقدار بے کار ضائع ہو جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بڑی زبردست ناقدری اور ناشکری ہو رہی ہے۔

وقت اور صحت کی ناقدری

یہ سب ناشکریوں کے شعبے ہیں، جو ہماری زندگی کے اندر داخل ہو چکے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آرہا ہے کہ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾" کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہیں پہچانتا۔ جب تک صحت موجود ہے، تو صحت کی قدر معلوم نہیں، لہٰذا اس کو بے کار کاموں میں ضائع کیا جا رہا ہے، یہ "وقت" اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، لیکن اس وقت کو ضائع کیا جا رہا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے تھے، وہ اس لئے عطا فرمائے تھے کہ اس کے ذریعے ہم آخرت کی

تیاری کرلیں، اوران کے ذریعہ دنیا وآخرت کا کوئی فائدہ حاصل کرلیں، وقت کو فضول ضائع کر کے اس کی ناقدری نہ کریں۔

خلاصہ

بہرحال! اس آیت کریمہ میں سبق یہ دیا جارہا ہے کہ اے اللہ کے بندو! تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غرق ہو، ڈوبے ہوئے ہو، اللہ کی ایک ایک نعمت میں غور کرو، دیکھو کہ وہ نعمت صحیح استعمال ہورہی ہے یا غلط استعمال ہورہی ہے، اگر غلط استعمال ہورہی ہے تو آج ہی اس سے توبہ کرلو، اور آج اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرلو کہ یا اللہ! اب تک میں نے جو ناشکری کی ہے، ہم آپ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ آپ کی یہ نعمتیں آپ کی معصیت میں استعمال نہیں ہوں گی، اور یہ نعمتیں ضائع نہیں ہوں گی، اور آپ کی رضامندی کے کاموں میں استعمال ہوں گی، انشاء اللہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہماری ماضی کو دھو دے گا، اور آئندہ کے لئے نئی زندگی کا آغاز ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

❁❁❁
❁

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ناشکری کی تیسری قسم

غفلت میں زندگی گزارنا

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾
وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ
يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم،
وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ
الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! گزشتہ تین جمعے میرے سفر میں گزرے، جس کی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہوسکا، اس سے پہلے سورۂ عادیات کی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس تفسیر کی تکمیل اب مقصود ہے، اس سورت کا ترجمہ اور خلاصہ پہلے عرض کر چکا ہوں، لیکن یاد دہانی کے لئے اس کا خلاصہ عرض کر دیتا ہوں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، جو اہل عرب اپنی جنگوں میں اور لڑائی کے دوران استعمال کیا کرتے تھے، اور اس سورت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ تم دن رات دیکھتے ہو کہ یہ گھوڑے جن کو تم جنگوں میں استعمال کرتے ہو، یہ اپنے مالک کے اتنے وفادار ہوتے ہیں کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے مالک کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں، اور بڑے جوش وخروش سے دوڑتے ہوئے اور چنگاریاں اڑاتے ہوئے دشمن کی فوج میں اس طرح گھس جاتے ہیں کہ ان کو اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوتی، اور

مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک کے مقصد کو پورا کریں۔

انسان گھوڑے سے بھی گیا گزرا ہے

ان گھوڑوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایک طرف تو یہ گھوڑے ہیں، جو انسان بھی نہیں ہیں، اور ذوی العقول میں سے بھی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود اپنے مالک کی اتنی وفاداری کرتے ہیں کہ ان کے لئے اپنی جان کی بازی لگادیتے ہیں۔ اور دوسری طرف انسان کا یہ حال ہے کہ:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦

کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ یہ انسان اتنی بھی وفاداری اور اتنا بھی شکرادا نہیں کرتا، جتنا یہ گھوڑے ادا کرتے ہیں۔

ناشکری کی پہلی صورت

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے'' اس سے ''ناشکری'' کی تین صورتوں کی طرف اشارہ ہورہا ہے، ایک صورت یہ کہ ایک نعمت دی تو اللہ تعالیٰ نے ہے، لیکن انسان یہ کہے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے دی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے، اللہ تعالیٰ انسان کے لئے حاجت روا ہے، مشکل کشا ہے، کارساز ہے، لیکن انسان اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی مخلوق کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا، اور کارساز سمجھے، اور ان کے بارے میں کہے کہ انہوں نے

مجھے یہ نعمت دی ہے، یہ سب سے بدترین ناشکری ہے، یعنی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے وہ کسی اور کی طرف منسوب کرے، چاہے وہ بت ہو، یا اپنے گھڑے ہوئے دیوتا ہوں، یا کوئی نبی ہو، یا ولی ہو، کیونکہ خدا کی نعمت کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا بھی شرک کا ایک حصہ ہے، اور یہ سب سے بڑی ناشکری ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

''بیشک یہ شرک بہت زبردست ظلم ہے'' کہ جس آقا نے اتنی نعمتیں دی ہیں، اسکو تو آدمی پس پشت ڈال دے، اور کسی دوسرے کی طرف ان نعمتوں کو منسوب کردے۔

ناشکری کی دوسری قسم

اور دوسری قسم ناشکری کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ نعمتیں جائز مقاصد میں استعمال کرنے کیلئے عطا فرمائی تھیں، لیکن کوئی بندہ اس کو جائز مقاصد میں استعمال کرنے کے بجائے گناہوں کے کاموں میں استعمال کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرے، یہ ناشکری کی دوسری قسم ہے۔ ان دونوں قسموں کا بقدر ضرورت بیان گزشتہ جمعوں میں ہو چکا ہے۔

ناشکری کی تیسری قسم

تیسری قسم ناشکری کی یہ ہے کہ انسان صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کر رہا ہے، اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا جو مجھے مل گیا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، غفلت کے عالم میں اور لا پرواہی کے عالم میں ان نعمتوں کو استعمال کئے جا رہا ہے، لیکن اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ تیسری قسم کی ناشکری ہے۔

زندگی غفلت میں گزر رہی ہے

صبح سے لے کر شام تک کی جو زندگی ہے، اس پر اگر ہم نظر ڈالیں تو یہ سامنے آئے گا کہ ہمارے بیشتر اوقات غفلت میں گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت عطا فرمائی ہے، ہمیں آنکھوں کی نعمت دی ہے، ناک، کان، زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں، ان نعمتوں کو بے دھڑک استعمال کئے جا رہا ہے، اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، لیکن کبھی دل میں خیال بھی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کتنی بڑی نعمت ہے، اور اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

کبھی ان پر شکر کرنے کا خیال آیا؟

اس وقت جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں، ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان

میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کیا کبھی اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آنکھ کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے، میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں، کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ آنکھ عطا فرمائی، اس میں بینائی کی طاقت عطا فرمائی، کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس نعمت کا کبھی شکر ادا کیا ہے؟ یا مثلاً کان کی نعمت ہے، اس سے جو ہم چاہتے ہیں سن لیتے ہیں، زبان کی نعمت ہے، اس زبان سے جو ہم چاہتے ہیں بول لیتے ہیں، لیکن کبھی دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت ہے، اور میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کان صحیح سلامت عطا فرمائے ہیں، میری زبان صحیح سلامت ہے، میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں، اور ٹھیک کام کر رہے ہیں۔

اگر یہ نعمت چھن جائے

اگر ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت چھن جائے، یا اس پر بیماری آجائے، یا کوئی ایسی پریشانی کھڑی ہو جائے، جس کی وجہ سے یہ نعمتیں استعمال نہ کی جا سکیں، اس کے بعد جب دوبارہ یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ نعمت عطا فرما دی۔ لیکن صبح سے لے کر شام تک یہ نعمتیں مسلسل استعمال ہو رہی ہیں، ان کا شکر ادا کرنے کا دھیان عام طور پر نہیں آتا۔

غفلت کے عالم میں کھانا کھا لیا

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ یاد دلا رہے ہیں کہ اے ناشکرے انسان! صبح

سے لے کر شام تک ہماری نعمتوں کی بارش تم پر برس رہی ہے، لیکن تمہیں یہ توفیق نہیں ہوتی کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، مثلاً ہم کھانا کھاتے ہیں، کھانا سامنے آیا، اور غفلت کے عالم میں وہ کھانا کھا گئے، اس کھانے کی لذت بھی حاصل کی، اور اپنی بھوک بھی مٹالی، اور اپنی حاجت پوری کر لی، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ہر کھانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ شکر ادا کریں کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کھانا عطا فرمایا، اور آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کھانا کھلایا، اور اس کی لذت عطا فرمائی۔ غفلت کی وجہ سے یہ شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

گاہک اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

ایک تاجر ہے، جو دکان پر بیٹھا ہے، اپنا سامان بیچ رہا ہے، صبح سے لے کر شام تک اپنی تجارت میں لگا ہوا ہے، ہر وقت اس کے دماغ پر تجارت کرنے کی ادھیڑ بن سوار ہے، اسی میں غلطاں و پیچاں ہے، اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہ گاہک جو میری دکان پر آرہے ہیں، یہ کسی کے بھیجنے پر آرہے ہیں، اور ان کے ذریعہ پیسے مجھے مل رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، کتنے لوگ ہیں جو دکان پر خالی بیٹھے رہتے ہیں، اور ان کے پاس کوئی گاہک نہیں آتا، لہٰذا جو گاہک تمہاری دکان پر آرہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

شکر پر نعمت میں اضافہ

اس آیت کے ذریعہ اللہ جل شانہ انسان سے شکوہ کر رہے ہیں کہ ”اِنَّ

الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ'' بیشک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔اور اسی ناشکری کو دور کرنے کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں، جو انسان کو اس غفلت سے نکالتے ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کا اس دنیا میں تشریف لانے کا بہت بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس غافل انسان کو غفلت سے نکال کر اس کا رُخ اور اس کی توجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کریں۔ چنانچہ خاتم الرسل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی اور حضرات صحابہ کرام کے ذریعہ ہم تک یہ تعلیم پہنچی کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو پہچانو، اور اس پر شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر کا نذرانہ پیش کر کے ان نعمتوں کو اپنے لئے جنت کا خزانہ بنالو، کیونکہ تم جتنا شکر ادا کرو گے، اس کے نتیجے میں نعمتوں میں اضافہ ہوگا، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا'' بلکہ عربی زبان میں لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ جو لفظ لایا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ ''میں ضرور بالضرور اور زیادہ دوں گا'' اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء کا مقصد

حضرات انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں اس لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اس غفلت سے بیدار کر کے اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ کریں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر ادا کرنے کے مختلف طریقے تلقین فرمائے

ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔
اس کے بعد پھر ہم انشاء اللہ اس شکوے میں داخل نہیں رہیں گے جو شکوہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦'' میں فرمایا ہے۔

بیدار ہونے کے بعد الفاظ شکر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شکر کا ایک طریقہ تو یہ بیان فرمایا کہ جب صبح کے وقت بیدار ہو تو بیدار ہونے کے بعد ان الفاظ سے شکر ادا کرو:

مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ آج کی صبح میں مجھے جتنی نعمتیں حاصل ہیں، یا آپ کی مخلوق میں سے کسی کو جتنی نعمتیں حاصل ہیں، وہ سب نعمتیں تنہا آپ ہی کی عطا ہیں، ان نعمتوں کے دینے میں آپ کا کوئی شریک نہیں، اور میں اس بات پر استغفار کرتا ہوں کہ میں ان تمام نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکتا، لہٰذا جب میں شکر ادا نہیں کرسکتا تو میں استغفار کرتا ہوں، اور آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ جو حق تھا ان نعمتوں کا، وہ ادا نہیں کر پایا، اور نہ ہی ادا کرسکتا ہوں، اس لئے میں استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

میں شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بندہ صبح بیدار ہونے کے

بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ سے ساتھ شکر ادا کرے تو وہ بندہ ناشکروں میں نہیں لکھا جائے گا، کیونکہ اس نے اجمالی طور پر اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کے بارے میں ایک طرف تو یہ اعتراف کرلیا کہ وہ نعمتیں صرف اللہ کی دی ہوئی ہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور جب یہ اعتراف کرلیا تو اس سے خود بخود شکر ادا ہوگیا۔ اور دوسری طرف اس بات کا اعتراف کرلیا کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں، میں شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، میں ایک مرتبہ بیشک زبان سے کہہ سکتا ہوں کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے، لیکن میں حق ادا نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اتنی ہیں، اتنی ہیں کہ وہ انسان کی گنتی میں نہیں آسکتیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو کبھی بھی شمار نہیں کرسکو گے''

انسان صرف ''سانس'' کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرسکتا

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بزرگ گزرے ہیں، جن کی فارسی میں ''گلستان'' اور ''بوستان'' مشہور کتابیں ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''گلستان'' کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے کہ یا اللہ! میں آپ کی نعمتوں کا کیسے شکر ادا کروں، سانس کی ایک نعمت ہی ایسی ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کرسکتا، یہ سانس جو ہر آن چل رہا ہے، ایک مرتبہ سانس اندر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ باہر آتا ہے، اگر سانس اندر جائے، لیکن باہر نہ آئے تو موت، اور اگر سانس باہر

آ جائے، لیکن دوبارہ اندر نہ جائے تو موت، تو ایک سانس میں دو نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، سانس کا اندر جانا ایک نعمت، اور سانس کا باہر آنا دوسری نعمت، اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سانس کے اندر جانے پر ایک شکر، اور سانس کے باہر آنے پر ایک شکر، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ اگر میں صرف سانس کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہوں تو جتنی دیر میں ان دو نعمتوں کا میں شکر ادا کروں گا، تو اتنی دیر میں دوسرا سانس آجائے گا، پھر اس پر شکر ادا کروں اتنے میں تیسرا سانس آجائے گا، تو اس طرح میں اگر پوری زندگی صرف شکر ادا کرنے میں لگا رہوں تو صرف سانس کی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا۔ اے اللہ! میں کیسے آپ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرسکتا ہوں۔

شکر کے ساتھ استغفار بھی کرو

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو اور ساتھ میں استغفار بھی کرو کہ یا اللہ! میں شکر ادا کر رہا ہوں، لیکن شکر کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا میں استغفار کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کردیں گے کہ میں شکر کا حق ادا نہیں کرسکا۔ بہرحال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نے صبح کو بیدار ہو کر یہ کلمات کہہ دیے، اگر عربی میں یاد کرلیں تو بہت اچھی بات ہے، اس لئے کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے الفاظ ہیں، اس میں بڑی برکت اور بڑا نور ہے، اس لئے ان الفاظ کو یاد کرلینا چاہیے، لیکن جب تک یاد نہ ہوں تو اپنی زبان میں ان کا ترجمہ کہے کہ ”یا

اللہ! اس صبح میں جتنی نعمتیں مجھے یا کسی اور مخلوق کو حاصل ہوئی ہیں، وہ تنہا آپ کی عطا ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، اور میں استغفار کرتا ہوں کہ اس نعمت کا حق ادا نہیں کر سکا'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بندہ صبح کے وقت یہ کلمات کہے گا وہ ناشکروں میں نہیں لکھا جائے گا۔ اور اس آیت ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ'' میں اللہ تعالیٰ نے انسان سے جو شکوہ فرمایا ہے، اس کے مصداق میں یہ داخل نہیں ہوگا۔

ہر اہم کام اللہ کے نام سے شروع کرو

پھر دوسری تلقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ تم جو کام کرو، اس سے پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھا کرو، اور اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کرو، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ

یا فرمایا : فَهُوَ اَبْتَرُ

یعنی ہر اہم کام جس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، وہ ادھورا اور نا تمام رہ جاتا ہے۔ لہٰذا جب کھانا کھانا شروع کرو تو ''بسم اللہ'' کہو، جب پانی پینا شروع کرو تو ''بسم اللہ'' کہو، جب خط لکھنا شروع کرو ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کہو، لہٰذا جتنے اہم کام ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرو۔

یہ کام میرے بس میں نہیں تھا

یہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تلقین فرمایا کہ ہر اہم کام کو اللہ

تعالیٰ کے نام سے شروع کرو، یہ کوئی منتر نہیں ہے، جس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، بلکہ درحقیقت اس کے پیچھے بڑا عظیم فلسفہ اور عظیم حکمت ہے، وہ یہ کہ جب بندہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر کوئی کام شروع کرتا ہے تو وہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، یہ میرے بس کا کام نہیں، اے اللہ! جب تک آپ کی توفیق شامل حال نہیں ہوگی، یہ کام تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

تاثیر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں

یہ دنیا عالم اسباب ہے، جس میں آپ نے ہمیں خود اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن دنیا کا کوئی سبب بذات خود کوئی تاثیر نہیں رکھتا، جب تک آپ اس کے اندر تاثیر پیدا نہ کردیں، میں کسی بیماری کے علاج کے لئے دوا کھاتا ہوں، وہ دوا بیماری کے دور کرنے کا ایک سبب ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے، لیکن جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاثیر پیدا نہ ہو، وہ دوا کارگر نہیں ہوتی، وہی دوا ہے، وہی بیمار ہے، وہی بیماری ہے، مگر کبھی کارگر ہوگئی، اور کبھی کارگر نہیں ہوئی، وہ کیوں کارگر نہیں ہوئی؟ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو دوا کام کرتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں ہوتی، وہ دوا مٹی ہوجاتی ہے، اس لئے فرمایا کہ جب تم ''بسم اللہ'' پڑھ کر دوا کھاؤ گے یا جب تم ''بسم اللہ'' کہہ کر پانی پیو گے، یا کھانا کھاؤ گے تو تم اس بات کا اعتراف کر رہے ہو گے کہ یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تاثیر کے بغیر، اس کی توفیق کے بغیر میرا یہ کام پورا نہیں ہوسکتا۔

انسان کو غفلت سے نکالا جارہا ہے

یہ جو کہا جارہا ہے کہ ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھو، یہ درحقیقت انسان کو غفلت سے نکالا جارہا ہے، وہ ''غفلت'' جس کی وجہ سے بندہ ناشکرا بن جاتا ہے، وہ ''غفلت'' جس کی وجہ سے بندہ خدا کو بھول بیٹھتا ہے، اس ''غفلت'' سے نکالنے کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمایا کہ ہر اہم کام ''بسم اللہ'' سے شروع کرو، اور جب وہ کام پورا ہوجائے تو ''الحمد للہ'' پر ختم کرو۔ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کام تکمیل تک پہنچا دیا، چنانچہ کھانا شروع کرتے وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھو، اور کھانا ختم کرتے وقت کہو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ کھانا بھی کھلا دیا، اور پانی بھی پلا دیا، اور اس طرح ہمیں کھلایا پلایا کہ ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔ یعنی کافروں کی طرح نہیں کھلایا پلایا، بلکہ مسلمانوں کی طرح کھلایا پلایا، اس پر ہم آپ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہر موقع کی دعائیں پڑھنے کی عادت ڈالو

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کو اسی غفلت سے نکالنے کے لئے یہ تلقین فرمائی ہے کہ چونکہ غفلت کے نتیجے میں بندہ ناشکرا بن جاتا ہے، لہٰذا ہر نعمت کے موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنی

چاہیے، اور اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مختلف مواقع پر تلقین فرمائی ہیں، ان کی عادت ڈالنی چاہیے، اگر بندہ وہ دعائیں پڑھتا رہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو پھر وہ بندہ اس آیت ''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۚ‏ ﴿٦﴾'' میں اللہ تعالیٰ نے بندے سے جو شکوہ فرمایا ہے، وہ اس شکوے کا مصداق نہیں بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ناشکرا بننے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ

الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ

هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مال ہو، اس کی محبت نہ ہو

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي

الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ
یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللہِ صَدَقَ اللہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ،
وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ
الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ العادیات کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے، اور اس آیت کریمہ ”اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَکَنُوْدٌ ﴿۶﴾“ کا بیان پچھلے خطابات میں ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں قسمیں کھا کر فرمایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، ”ناشکرا“ کس طرح ہے؟ اس کی تین صورتیں گزشتہ تین جمعوں میں بیان کردیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ناشکری کی ان تینوں صورتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انسان خود اس پر گواہ ہے

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَ اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ﴿۷﴾“ وہ انسان اس پر خود گواہ ہے۔ یعنی یہ بات کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ انسان اس پر خود گواہ ہے، کس طرح گواہ ہے؟ وہ اس طرح کہ اس کا پورا طرز عمل ناشکری کی گواہی دے رہا ہے، اس لئے کہ وہ صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہا ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں، لیکن وہ غفلت کے عالم

میں اپنی زندگی گزار رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا، تو اس کا یہ طرز عمل خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ ناشکرا ہے، اگر وہ شکر گزار ہوتا تو وہ اپنی صبح سے شام تک کی زندگی میں کچھ وقت اللہ تعالیٰ کے شکر کا بھی نکالتا، لیکن چونکہ وہ ایسا نہیں کر رہا ہے تو اس کا یہ طرز عمل اس کی ناشکری کی گواہی دے رہا ہے۔

مال کی محبت میں آگے بڑھا ہوا ہے

اگلی آیت میں فرمایا ''وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸'' انسان کی دوسری خرابی اس آیت میں یہ بیان فرمائی کہ ناشکرا ہونے کے علاوہ اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے، مال کی محبت اس کے دل پر چھائی ہوئی ہے، یہ بھی اس کی ایک خرابی ہے، اور اس ناشکری کی بھی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں مال کی محبت سما گئی ہے، اور اس طرح سما گئی ہے کہ وہ حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتا، جائز اور ناجائز میں فرق نہیں کرتا، اچھے برے میں امتیاز نہیں کرتا، اور جس طرح بھی مال حاصل ہو، اس کو حاصل کرنے اور سمیٹنے کی فکر کرتا ہے۔

یہ مال اپنی ذات میں خیر ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو لفظ ''خیر'' سے تعبیر فرمایا ہے، اور ''خیر'' کے معنی ہیں ''بھلائی'' اس لفظ کے ذریعہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ مال اپنی ذات میں کوئی بری چیز نہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت

ہے، وہ بھی ایک بھلائی ہے، لیکن وہ ''بھلائی'' اس لئے ہے تاکہ بندہ اس کو جائز طریقوں سے حاصل کرکے جائز کاموں میں خرچ کرے، یہ روپیہ پیسہ انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، انسان اس کی خدمت کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ ضرورتیں لگی ہوئی ہیں، مثلاً اس کو بھوک لگتی ہے تو اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے، رہنے کے لئے اور اپنا سر چھپانے کے لئے اس کو مکان کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ساری ضرورتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مال پیدا فرمایا ہے، اور جب اس مال کو جائز اور حلال طریقوں سے کمایا جائے، اور جائز اور حلال کاموں مین خرچ کیا جائے تو وہ مال ''خیر'' ہے۔

پاک مال نیک آدمی کے لئے بہترین چیز ہے

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

نعم المال الصالح للرجل الصالح

کہ پاک مال جو جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، وہ مال نیک آدمی کے لئے بہت اچھی چیز ہے۔ کیونکہ وہ اس مال کو حلال طریقوں سے حاصل کر رہا ہے، اور حلال کاموں میں خرچ کر رہا ہے، ایسا مال اچھی چیز ہے، کوئی قابل مذمت چیز نہیں، کیونکہ یہ مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

مال کی محبت بری چیز ہے

خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بندہ اس مال کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے، اور اس محبت کے نتیجے میں مال ہی کو اپنا مقصود بنالیتا ہے، اور اسی مال کو اپنی زندگی کی دوڑ دھوپ کا مطمحِ نظر بنا کر دن رات اس کی محبت میں گرفتار رہتا ہے، اصل خرابی یہ ہے، لہٰذا مال کوئی بری چیز نہیں، مال کی محبت بری چیز ہے، یعنی ایسی محبت جس کے نتیجے میں انسان اپنے فرائض سے غافل ہوجائے، اور جائز اور ناجائز کی تمیز ختم کردے، درحقیقت یہ چیز ہے جو انسان کو تباہ کرنے والی ہے۔

مال ودولت پانی کی طرح ہے

مال کی بڑی خوبصورت مثال مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے، جن کی مثنوی شریف بہت مشہور کتاب ہے، بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مثنوی شریف میں بڑے عظیم حقائق اور معارف بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مثنوی میں انہوں نے ایک خوبصورت شعر کہا ہے، جس میں دنیا اور دنیا کے مال ودولت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

فرمایا کہ دنیا کے مال ودولت کی مثال ایسی ہے، جیسے سمندر کا پانی، دریا

کا پانی، اور انسان کی مثال ایسی ہے، جیسے کشتی، کشتی بغیر پانی کے نہیں چل سکتی، اگر کوئی شخص خشکی پر کشتی چلانا چاہے تو کشتی نہیں چلے گی، اس لئے کہ کشتی کے لئے پانی ضروری ہے۔

وہ مال انسان کو ڈبو دیتا ہے

اسی طرح انسان کے لئے مال و دولت ضروری ہے، اگر انسان کے پاس پیسہ نہ ہو تو کھائے گا کہاں سے؟ پہنے گا کہاں سے؟ کہاں رہے گا؟ اس لئے اس کو زندگی گزارنے کے لئے مال کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے کشتی کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جب تک وہ پانی کشتی کے اردگرد رہتا ہے، دائیں بائیں رہتا ہے، آگے پیچھے رہتا ہے، نیچے رہتا ہے، تو وہ پانی کشتی کو دھکے دیتا ہے، آگے چلاتا ہے، لیکن اگر وہی پانی کشتی کے اندر آجائے تو وہ کشتی ڈبو دیتا ہے، اور کشتی غرق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مال و دولت اگر آپ کے اردگرد ہے، دائیں بائیں ہے، آگے پیچھے ہے، اس وقت تک تو یہ مال آپ کے لئے بہترین چیز ہے، آپ کی زندگی کو دھکا دینے والی چیز ہے، لیکن اگر اس مال کی محبت تمہارے دل کے اندر داخل ہو گئی، تو یہ ایسا ہے جیسے پانی کشتی کے اندر داخل ہو گیا، وہ پانی جس طرح کشتی کو ڈبو دیتا ہے، اسی طرح مال انسان کو ڈبو دیتا ہے۔

مال تمہارا خادم ہے، نہ کہ تم اسکے خادم

اللہ بچائے، جب مال کی محبت انسان کے دل میں گھر کر جاتی ہے، تو اس

کے نتیجے میں انسان کے سارے اعمال مال کی محبت کے تابع ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ یہ مال تو میری خدمت کے لئے تھا، میں اس مال کی خدمت کے لئے پیدا نہیں ہوا تھا، لیکن جب مال کی محبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ مال تو اس لئے تھا کہ اس مال کے ذریعہ آدمی راحت حاصل کرے، آرام حاصل کرے، لذت حاصل کرے۔ لیکن جب مال کی محبت بڑھ جاتی ہے، تو وہ شخص اس مال کی گنتی گنتا رہتا ہے کہ میرے بینک بیلنس میں کتنا اضافہ ہوگیا؟ اور میری جائیدادیں کتنی بڑھ گئیں؟ اور اس تگ و دو میں اور اس فکر میں اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے، اپنے راحت و آرام کو وہ تج دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے بیوی بچوں سے غافل ہو کر زندگی گزارتا ہے، وہ مال کس کام کا جو انسان کو اپنے بیوی بچوں سے راحت میسر نہ کرا سکے۔

وہ دولت کس کام کی؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے، بڑے دولت مند تھے، دنیا کے مختلف ممالک کے اندر ان کے کاروبار تھے۔ ایک دن حضرت والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کے بچے کتنے ہیں؟ انہوں نے شاید یہ بتایا کہ پانچ یا چھ بیٹے ہیں، والد صاحب نے پوچھا کہ وہ بچے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ایک بیٹا سنگاپور میں ہے، ایک ہانگ کانگ میں ہے، ایک لندن میں ہے، ایک فلاں جگہ ہے، ایک

فلاں ملک میں ہے، والد صاحب نے پوچھا کہ ان بچوں سے کبھی ملاقات ہوجاتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سال دو سال میں کبھی ایک بچے سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ وہ دولت کس کام کی جو آدمی کو اپنی اولاد کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا موقع نہ دے، کہ اس کی اولاد اس کے سامنے موجود ہو، اور وہ ان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ ایسے مال کا فائدہ کیا؟ ارے یہ مال تو اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ یہ مال تمہاری خدمت کرتا، تمہیں راحت پہنچاتا، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا، لیکن تم نے اس کاروبار کو پھیلا کر اور اپنی اولاد کو منتشر کر کے تم نے مال تو بیشک بہت کما لیا، اور بینک بیلنس تو بہت بڑھ گیا، لیکن اس مال کی جو راحت تھی، اور اس مال کا جو نفع تھا، وہ غائب ہوگیا۔

ہاتھ کی کھجلی کو کیا کروں؟

خود میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے دولت مند شخص تھے، اور پاکستان میں مال ودولت کے لحاظ سے جو بائیس خاندان مشہور ہیں کہ یہ بائیس خاندان بڑے سرمایہ دار ہیں، انہی میں سے ایک صاحب ایک مرتبہ میرے پاس ملاقات کے لئے آئے، میں نے ان سے گفتگو کے دوران کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ وہ دولت کتنی ہے خود آپ کو بھی معلوم نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیدیا ہے، اب

آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ آپ بینکوں سے سود پر رقمیں لے کر اپنے کاروبار کو مزید بڑھائیں، اور اپنی دولت میں اور اضافہ کریں، اب تو کم از کم سود کی لعنت سے اپنی جان چھڑالیں، اور جتنی زندگی آپ کی باقی ہے، آپ کی دولت اس سے کہیں زیادہ ہے، آپ آرام سے زندگی گزار سکتے ہیں، اب تو کم از کم سود سے توبہ کرلیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے بڑی صاف بات کہی کہ مولانا: بات تو آپ صحیح کہہ رہے ہیں، لیکن مولانا: میں اپنے ہاتھ کی کھجلی کو کیا کروں؟ بالکل بعینہٖ یہ الفاظ بولے، یعنی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں بینکوں سے سود پر قرضے لوں، اور قرضے لے کر اپنے کاروبار کو مزید بڑھاؤں، لیکن ہاتھ کی کھجلی کو کیا کروں؟ یہ ہاتھ کی کھجلی ہی ہے جس کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸

یعنی مال کی محبت اس طرح دل میں جاگزیں ہوگئی ہے کہ اب وہ سب کچھ فراموش کر بیٹھا ہے،، اپنی راحت، اپنا آرام، اپنی بیوی، اپنے بچے سب کو اس بات پر تج دیے ہیں کہ کس طرح یہ ہاتھ کی کھجلی دور ہو، اور ہاتھ میں اور پیسہ آئے۔

انسان کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

فرماتے ہیں کہ :

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ مِّنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰى اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ، وَلَوْ كَانَ لَهٗ وَادِيَانِ لَا بْتَغٰى اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ ثَلَاثٌ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ

کہ اگر انسان کو پوری وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے، تو بھی وہ یہ چاہے گا کہ میرے پاس سونے کی دو وادیاں ہوجائیں، اور اگر کسی انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوجائیں تو وہ یہ چاہے گا کہ میرے پاس سونے کی تین وادیاں ہو جائیں، اور آخر میں بڑا ہی خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ ابن آدم یعنی انسان کا پیٹ سوائے مٹی کے کوئی اور چیز نہیں بھر سکتی، جب قبر میں چلا جائے گا تو وہاں پر قبر کی مٹی اس کا پیٹ بھر دے گی، اس سے پہلے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔

قناعت انسان کا پیٹ بھر سکتی ہے

ہاں! دنیا میں اگر کوئی چیز انسان کا پیٹ بھر سکتی ہے تو وہ ''قناعت'' ہے کہ حلال اور جائز طریقے سے اللہ تعالیٰ اس کو جتنا عطا فرما رہے ہیں، اس پر انسان قناعت کرے تو پھر اس کا پیٹ بیشک دنیا ہی کے اندر بھر جائے گا، پھر قبر کی مٹی کو اس کا پیٹ بھرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، انسان کو چاہیے کہ اس ''قناعت'' کو اختیار کرلے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

خوبصورت دعا فرمائی ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ

کیا خوبصورت دعا ہے۔ فرمایا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے، اور اسی میں میرے لئے برکت ڈال دیجئے۔ اور جب انسان کے اندر قناعت ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مال میں برکت ہو تو پھر تھوڑے مال میں بھی، تھوڑی آمدنی میں بھی انسان کو مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اس کو راحت بھی مل جاتی ہے، لذت بھی مل جاتی ہے، اور سکون مل جاتا ہے، عافیت مل جاتی ہے، لیکن اگر انسان کے اندر قناعت نہ ہو تو پھر وہ انسان "جوع البقر" کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ پھر اس کی بھوک کبھی نہیں مٹتی، یا جیسے "استسقاء" کی بیماری میں جو مبتلا ہوتا ہے کہ وہ پانی کے گھڑے کے گھڑے اپنے پیٹ کے اندر انڈیل لے، لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی، یہی حالت اس انسان کی ہو جاتی ہے، جس کے دل میں مال کی محبت جاگزیں ہو جائے۔

مال کو جمع کرنے کی فکر چھوڑ دو

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت کریمہ میں ہمیں اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ مال ہے تو خیر، اور مال کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور تمہاری زندگی کی ضرورت ہے، لیکن یہ مال خدمت کے لئے ہے، یہ مال اس لئے نہیں ہے کہ تم

اس مال کی محبت میں مبتلا ہو کر ساری زندگی اس کے جمع کرنے میں ضائع کردو، اور اپنے راحت اور آرام کو اس مال پر قربان کردو۔

واش روم ضرورت کی کی چیز ہے

دیکھئے! ایک چیز ہوتی ہے ''ضروری'' جس کو ضرورت کے تحت انسان اختیار کرتا ہے، اور ایک شوق، امنگ، اور محبت کی چیز ہوتی ہے، ان دونوں میں فرق ہے، مثلاً آج کے دور میں کوئی مکان ایسا نہیں ہوتا جس میں بیت الخلاء بنا ہوا نہ ہو، اس لئے کہ بیت الخلا اور واش روم انسان کی ضرورت ہے، اگر کسی مکان میں بیت الخلاء نہیں ہے تو وہ مکان ناقص اور ادھورا ہے، کیونکہ وہ ایک ضرورت کی چیز ہے۔ لیکن وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ انسان اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے، اور اس کے شوق اور امنگ اور محبت میں بیٹھا سوچتا رہے کہ میں بیت الخلاء میں جاؤں گا، اور اس طرح بیٹھوں گا وغیرہ۔۔۔۔ لہٰذا کوئی شخص بیت الخلاء کو اپنی محبت کا مرکز نہیں بناتا، ہاں، ضرورت کی چیز ہے، اور اس کے بغیر مکان ادھورا ہے۔

مال و دولت بھی ضرورت کی چیز ہے

لہٰذا دنیا کے جتنے اسباب و وسائل ہیں، ان کے بارے میں انسان یہ سوچے کہ میری ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ہے، لہٰذا جائز طریقوں سے مجھے یہ اسباب حاصل کرنے ہیں، لیکن یہ اسباب میری زندگی کا

منتہائے مقصود نہیں ہیں، مقصود یہ ہے کہ وہ آمدنی وہ مال و دولت جو جائز طریقے سے حاصل ہوئی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق اپنی ضروریات میں صرف کروں، میرے ذمے جو حقوق ہیں، اس کے ذریعہ ادا کروں، میرے ذمہ اپنے نفس کا حق بھی ہے، اپنے اہل وعیال کا حق بھی ہے، اپنے دوست احباب کا حق بھی ہے، اعزہ و اقارب کا حق بھی ہے، اس کے ذریعہ ان تمام حقوق کو ادا کروں، تو پھر یہ مال تمہارے لئے خیر ہے، اور یہ مال تمہارے لئے آخرت کا سرمایہ ہے، لیکن اگر اس کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی، اور اس کے نتیجے میں حلال وحرام کا فرق مٹادیا تو پھر یہ مال تمہارے لئے مہلک ہے، تباہ کن ہے، برباد کرنے والی چیز ہے۔

یہ مال آخرت میں عذاب بن جائے گا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبة: ۳۴)

یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔ اللہ تعالیٰ نے ''خوشخبری'' کا لفظ استعمال فرمایا کہ جس چیز کو تم اچھا سمجھ رہے تھے، وہی چیز تمہارے لئے عذاب بن گئی، اس دن کو یاد رکھنا جب یہ سارا سونا چاندی جو تم نے جمع کیا ہے، اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، اور پھر اس

کے ذریعہ تمہاری پیشانیاں داغی جائیں گی، اور تمہارے پہلو داغے جائیں گے، اور تمہاری پشتیں داغی جائیں گی، اور اس وقت تم سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ ''خزانہ'' جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، اب اس خزانے کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کیا تھا۔

خلاصہ

بہرحال! اگر یہ مال حرام طریقے سے حاصل کیا ہے، یا حلال طریقے سے تو حاصل کیا ہے، لیکن اس مال پر جو حقوق تھے، وہ ادا نہیں کئے تو یہ مال تمہارے لئے جہنم کے انگارے ہیں، جو تیار ہو رہے ہیں، لہٰذا اگر ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے مال کے ساتھ برتاؤ کرو گے تو وہ مال تمہارے لئے خیر ہوگا، اور اگر ان باتوں کا خیال نہ رکھا تو آخرت میں وہ مال تمہارے لئے آگ کے انگارے بنیں گے، اور پھر اس کے ذریعہ تمہاری پیشانیوں کو، تمہارے پہلوؤں کو اور تمہاری پشتوں کو داغا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس انجام سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

کونسا ''مال'' سکون کا باعث ہے؟

(تفسیر سورۂ عادیات)

(۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی

الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ آمَنْتُ بِاللهِ صَدَقَ اللهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ کئی جمعوں سے میں اپنے سفروں کی وجہ سے حاضری سے قاصر رہا، اس سے پہلے سورۃ العادیات کی تشریح کا بیان چل رہا تھا، آج اس سلسلے کا آخری بیان ہے، سورۃ العادیات کی ابتدائی آیات کی تفسیر پچھلے بیانات میں الحمد للہ بقدر ضرورت ہو چکی ہے، آخری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔

مال اپنی ذات میں بری چیز نہیں

جیسا کہ پچھلے بیانات میں عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں انسان کی دو باتوں کا شکوہ فرمایا، ایک یہ کہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾'' انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، دوسرا یہ کہ ''وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾'' انسان میں مال کی محبت زیادہ ہے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مال اپنی ذات میں کوئی بری چیز نہیں، اسی لئے قرآن کریم میں اس کے لئے ''خیر'' کا لفظ استعمال فرمایا، اور ''خیر'' کے معنی ہیں اچھی چیز، اور بھلائی کی چیز،

لہٰذا مال اپنی ذات میں اس لئے بری چیز نہیں کہ انسان کی زندگی اس پر موقوف ہے، اگر انسان کے پاس کچھ بھی مال نہ ہوتو وہ زندگی کیسے گزارے گا؟ وہ کہاں سے کھائے گا؟ کہاں سے پہنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات اس سے وابستہ کی ہوئی ہیں، اس لئے ''مال'' اپنی ذات میں برا نہیں۔

مال کی محبت بری چیز ہے

لیکن اس ''مال'' کی ایسی محبت دل میں پیوست ہوجانا کہ ہر وقت صبح سے لے کر شام تک اسی کی محبت میں، اسی کی دھن میں، اسی کے دھیان میں انسان زندگی گزار رہا ہو، یہ بری بات ہے، اس کے بارے میں اس سورت میں فرمایا کہ ''وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸'' یہ مال ایک ضرورت ہے، اور ضرورت کی حد تک اس مال سے انسان کو فائدہ بھی اٹھانا ہے، اور اس مال کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرنی ہے، لیکن انسان دن رات اسی مال کو اپنا مقصد زندگی بنالے، اور اس کے علاوہ کوئی اور مقصد زندگی نہ رہے، یہ بری بات ہے۔ اس مال کی بہترین مثال حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ''پانی'' سے دی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ بیان میں تفصیل سے عرض کیا تھا۔ بہرحال، مال کی محبت بری چیز ہے، یعنی ایسی محبت جو انسان کو ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے پر آمادہ کرے، ایسی محبت بری ہے۔

مال و دولت میں کشش رکھ دی گئی ہے

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں تشریف فر

ما تھے، اور اس وقت کوئی ملک شاید بحرین فتح ہوا تھا، اور اس فتح میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا، وہ مال مسجد نبوی میں لاکر ڈھیر کیا گیا تھا، تاکہ اس مال کو تقسیم کیا جائے، حضرت فاروق اعظم نے جب اس مال کے ڈھیر کو مسجد میں پڑا ہوا دیکھا تو اس وقت آپ نے ایک دعا کی، اور دعا میں فرمایا کہ اے اللہ! آپ نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ (اٰل عمرٰن: ۱۴)

یعنی انسان کے لئے اس مال و دولت میں ایک کشش پیدا کردی گئی ہے، اور جب یہ کشش آپ نے پیدا کردی ہے تو اب یہ کشش ہمارے اندر ضرور ہوگی، لیکن اے اللہ! ہم آپ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ یہ کشش ہمیں کسی نافرمانی پر آمادہ نہ کرے، یہ کشش ہمیں کسی ناجائز کام پر آمادہ نہ کرے، یہ کشش ہمیں کسی حرام کام پر آمادہ نہ کرے، جتنی کشش انسان کو اپنی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ناگزیر ہے، وہ تو انسان کی زندگی کا لازمی حصہ ہے، وہ کشش تو آپ نے خود ہمارے دلوں کے اندر پیدا کی ہے۔ لیکن یہ کشش اور محبت آپ کی نافرمانی پر ہمیں آمادہ نہ کردے۔ کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم ناجائز اور حرام طریقے اختیار کرنا شروع کردیں، یا ناجائز اور حرام طریقے سے مال کو خرچ

کریں، دونوں چیزیں ہمارے لئے ہلاکت، تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں اس سے بچایئے۔

یہ مال کس طرح حاصل کیا جارہا ہے؟

بہرحال! اصل بنیاد یہ ہے کہ اگر اس مال کو جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا جارہا ہے، اور اس مال کو جائز مصارف پر خرچ کیا جارہا ہے، تو یہ مال تمہارے لئے خیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر شکر ادا کرو، اور اس سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن اگر یہ مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا جا رہا ہے، حرام طریقوں سے کمایا جارہا ہے، مثلاً اگر سود کے ذریعہ، قمار کے ذریعہ، دھوکہ سے، اور رشوت سے یہ مال کمایا جارہا ہے تو پھر یہ آگ کے انگارے ہیں جو تم اپنے لئے جمع کر رہے ہو۔ اور یہ مال پھر تمہارے لئے جہنم کا عذاب لے کر آنے والا ہے۔ ایسی محبت سے بچو۔

مال عذاب بھی بن جاتا ہے

اللہ بچائے، جب مال کی محبت حدود سے متجاوز ہوتی ہے، تو پھر یہ مال بذات خود انسان کے لئے عذاب بن جاتا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ (التوبۃ:۵۵)

یعنی بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس مال کو دنیاوی زندگی میں اس شخص کے لئے عذاب بنا دیتے ہیں، اور آنکھوں سے یہ بات نظر آتی ہے کہ جن لوگوں نے مال و دولت کے ڈھیر لگائے ہوئے ہیں، لیکن رات کو نیند نہیں آتی، ارے بھائی، مال تو اس لئے حاصل کیا تھا کہ وہ آدمی کی خدمت کرے، اس کو راحت پہنچائے، اور اس کو آرام پہنچائے، اس کو لذت عطا کرے۔ لیکن اگر اسی مال و دولت کے ادھیڑ بن میں انسان اپنی ساری زندگی تج دے، یہاں تک کہ اس مال کی فکر میں رات کو نیند نہ آئے کہ فلاں جائیداد پر فلاں شخص نے قبضہ کر لیا ہے، اب اس فکر میں نیند نہیں آرہی ہے، یا فلاں کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے نیند نہیں آرہی ہے، اس کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے، ایسے لوگوں کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے کہ ان کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں، لوگ ان کے مال و دولت پر رشک کرتے ہیں، لیکن ان کی زندگی بے چینی کی زندگی ہے، اضطراب کی زندگی ہے، بے فائدہ زندگی ہے، اس زندگی میں کوئی راحت نہیں، اس زندگی میں کوئی لذت نہیں، ایسے مال کا کیا فائدہ جو انسان کو سکون نہ عطا کر سکے، راحت نہ دے سکے، بلکہ وہ مال اس کے لئے عذاب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مال کی محبت دل میں سما گئی ہے، لیکن اس مال کی محبت کی نتیجے میں راحت رخصت ہوگئی، سکون غارت ہوگیا، اور انسان کی زندگی عذاب بن گئی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ :

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝۵۵ (التوبۃ:۵۵)

مال تھوڑا ہو، لیکن باعث سکون ہو

بہر حال! مال کی محبت جب حد سے متجاوز ہو جاتی ہے، تو پھر یہ مال کا فائدہ بھی ختم کر دیتی ہے، جو راحت اس مال سے حاصل ہونی چاہیے تھی، وہ حاصل نہیں ہوتی، جو لذت حاصل ہونی چاہیے تھی، وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حلال طریقے سے مال عطا فرمائے۔ مال اگرچہ تھوڑا ہو، لیکن سکون قلب میسر ہو، طبیعت میں اطمینان ہو کہ الحمد للہ! جو کچھ میں کما رہا ہوں، وہ حلال طریقے سے کما رہا ہوں، وہ آخرت میں بھی میرے لئے فائدہ مند ہونے والا ہے، آخرت میں اس کی وجہ سے مجھے کوئی عذاب نہیں ہوگا، اور جو مختلف قسم کی الجھنیں اور پریشانیاں ہیں، ان سے بھی نجات حاصل ہے، ایسے مال میں برکت ہے، اور راحت ہے، اس میں سکون ہے۔

دنیا اور آخرت کی خوشگواری

اسی لئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس طرف متنبہ فرما رہے ہیں کہ تم مال ضرور حاصل کرو، لیکن ضرورت کے مطابق جائز طریقوں سے حاصل کرو، اور اس مال کی محبت تمہارے دل میں اس طرح نہ سمائے کہ اس کے نتیجے میں جائز اور

ناجائز، حلال وحرام کی فکر مٹادو۔ یہ سارا خلاصہ ہے اس پیغام کا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے، حقیقت یہ کہ اگر غور کیا جائے تو دنیا کے سکون اور راحت کا بھی اس سے زیادہ بہتر کوئی راستہ نہیں کہ آدمی حلال طریقے پر قناعت کرے، اور حلال طریقے سے جو کچھ مال مل رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت مانگے، اور حرام طریقوں سے اپنے آپ کو بچائے تو پھر دیکھو گے کہ یہ زندگی کیسی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زندگی کو بھی خوشگوار بنا دیتے ہیں، اور آخرت کو بھی خوشگوار بنا دیتے ہیں۔

آخرت میں سب راز فاش ہو جائیں گے

اسی بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی اگلی آیتوں میں فرمایا:

اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِي الۡقُبُوۡرِۙ ۝٩ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوۡرِۙ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ ۝١١

(عادیات: ۹۔۱۰۔۱۱)

اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو شکایتیں کیں۔ ایک یہ کہ انسان ناشکرا ہے، دوسری شکایت یہ کی کہ وہ مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے، اور پھر ان آخری تین آیات میں فرمایا کہ ”کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ جب وہ وقت آئے گا کہ قبروں میں جتنے انسان دفن ہیں، ان سب کو اٹھا کر زمین پر بکھیر دیا جائے گا، اور انسان کے سینوں میں جو راز ہیں، وہ

سارے کے سارے باہر کردیے جائیں گے۔ اس لئے کہ بعض اوقات اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے لئے اس قسم کی باتین کرتا ہے کہ میں نے تو جو مال جمع کیا تھا، وہ نیک نیتی سے جمع کیا تھا، اور نیک کاموں میں اس کو خرچ کرنے کا ارادہ تھا، اس طرح کی باتیں کر کے وہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتا ہے، اور دوسروں کو بھی دھوکہ دیتا ہے، حالانکہ دل میں درحقیقت مال کی محبت ہوتی ہے، اور حلال وحرام کی فکر نہیں ہوتی، اس لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ وقت آنے والا ہے، جب قبروں سے تمہیں نکال کر زمین پر بکھیر دیا جائے گا، اور اس وقت تمہارے سینے کے سارے راز اگل دیے جائیں گے، اس وقت پتہ چل جائے گا کہ تم نے یہ کام نیک نیتی سے کیا تھا، یا بدنیتی سے کیا تھا۔

قبر میں کچھ ساتھ نہیں جائے گا

آخری آیات میں فرمایا ''اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾'' یعنی اس دن ان کے پروردگار کو ان کی سب باتوں کی خبر ہوگی کہ کس کے سینے میں کیا راز تھا۔ لہٰذا نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس دن اللہ تعالیٰ انسان کی نیتوں کو بھی واضح کردیں گے کہ کس نے نیک نیتی سے مال کمایا تھا، اور کس نے بدنیتی سے مال کمایا تھا، وہ سب وہاں پر واضح ہوجائے گا، اس کے بعد پھر اسی کے مطابق جزا وسزا کا فیصلہ ہوگا۔ اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم جو مال کمارہے ہو، اس کو کماتے ہوئے اور اس کو خرچ کرتے ہوئے وہ منظر مت بھولو کہ ایک دن تمہیں قبر میں پہنچنا ہے، قبر میں سونا ہے، اور جب انسان قبر میں

جاتا ہےتو خالی ہاتھ جاتا ہے، کتنے ہی خزانے دنیا میں جمع کر لئے ہوں، لیکن قبر میں کوئی خزانہ، کوئی مال اس کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ تنہا جاتا ہے، اور اس کے بعد پھر جو مناظر سامنے آنے والے ہیں، اس میں سب کچھ پتہ چل جائے گا کہ کس انسان نے دنیا میں کیا عمل کیا۔

صرف عمل ساتھ جائے گا

ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی جنازہ قبرستان کی طرف جاتا ہے تو اس کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، ایک اس کے عزیز واقرباء اور دوست احباب ہوتے ہیں، جو اس کو قبرستان تک لے جاتے ہیں، ایک مال ہوتا ہے، مال سے مراد وہ چار پائی جس پر اس کو لے جایا جا رہا ہوتا ہے، تیسری چیز اس کا عمل جو اس کے ساتھ ہے، لیکن جب اس کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہےتو جو رشتہ دار اور دوست احباب اس کو پہنچانے آئے تھے، وہ سب اس کے پاس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اور مرنے والا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے :

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو! شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اور جو مال ساتھ آیا تھا، یعنی چار پائی وغیرہ، وہ بھی واپس چلا جاتا ہے، اب صرف ایک چیز اس کے ساتھ رہ جاتی ہے، وہ ہے اسکا ''عمل'' وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اب اگر وہ اچھا عمل ہےتو یہی قبر کا گڑھا اس کیلئے گل وگلزار بن

جاتا ہے، اور خدا نہ کرے، اگر وہ عمل خراب ہے تو یہی قبر کا گڑھا انسان کے لئے جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے۔

خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ فرما رہے ہیں کہ اس انجام کو کسی وقت بھی مت بھولو، یہ مال کی محبت تمہیں اس انجام کو بھلا دیتی ہے، رشوت لے رہے ہو، اور دماغ میں یہ خیال ہے کہ اس رشوت کے ذریعہ میں اتنے پیسے کما لوں گا، میرے بینک بیلنس میں اتنا اضافہ ہو جائے گا، میری دولت میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ خیال تو آرہا ہے، لیکن یہ خیال نہیں آرہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اگلے لمحے میری موت آجائے، اور پھر مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا، اور وہاں پر نہ یہ مال کام آئے گا، نہ یہ مال دینے والے کام آئیں گے، وہاں کام آنے والی چیز صرف ایک ہوگی، اور وہ تمہارا ''عمل'' ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے اس کا دھیان رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جب مال کمائیں اس وقت بھی، اور جب خرچ کریں، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ یہ دھیان عطا فرما دے کہ مرنے کے بعد قبر میں جا کر یہ مال ہمیں فائدہ پہنچانے والا ہے، یا نقصان پہنچانے والا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ احساس ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے تو نہ جانے کتنے دلدر ہمارے دور ہو جائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

وَاَوْلَادُكُمْ

فِتْنَةٌ ط

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

یہ مال و دولت کام نہیں آئیگا

(تفسیر سورۃ الزلزال)

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿۳﴾ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝
آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمِ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ
النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ
الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ الزلزال ہے، جس کی آپ کی سامنے میں نے ابھی تلاوت کی ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور آخرت کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، پہلے اس سورت کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی تشریح عرض کروں گا۔

اس سورت کا ترجمہ

فرمایا- اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ - وہ وقت یاد کرو جب زمین کو اس کے بھونچال سے جھنجوڑ دیا جائے گا- وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ - اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی- وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝ - اور انسان اس منظر کو دیکھ کر کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہوگیا ہے؟-يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ - اس دن یہ زمین اپنے سارے جھگڑوں کے بارے میں اور اپنے سارے واقعات کے بارے میں بول دے گی- بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ - اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس زمین کو اس بات کا حکم دیا ہوگا-يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ - اس دن لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل

میں واپس جائیں گے، تا کہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں - فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؁ -جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا -وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؁ - اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ یہ ہے اس سورت مبارکہ کا ترجمہ۔

قیامت کا زلزلہ

یہ زلزلہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرمایا ہے، حدیث کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن دو قسم کے زلزلے ہوں گے، ایک زلزلہ تو پہلے ''صورؔ'' کے وقت ہوگا، یعنی قیامت کے دن جس میں ساری چیزوں کو فنا کر دیا جائے گا، وہ پہلے ''صورؔ'' کے وقت ہوگا، حضرت اسرافیل علیہ السلام صورؔ پھونکیں گے، اس صورؔ کی آواز ابتداء میں آہستہ ہوگی، اور پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز بڑھتی چلی جائے گی، اور اس آواز کے نتیجے میں تمام انسان، جانور، جنات سب مر جائیں گے، فنا ہو جائیں گے، اس وقت زمین میں ایک زلزلہ آئے گا، اس زلزلہ کی وجہ سے لوگوں پر ایک ہیبت طاری ہو جائے گی، اور ہیبت طاری ہونے کے بعد لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے، اور سب ہلاک ہو جائینگے، یہ سب قیامت کے دن ہوگا، جس دن دنیا کی ساری زندگی کا اختتام ہونا ہے۔ بہر حال! ایک زلزلہ تو اس وقت ہوگا۔

اس سورت میں دوسرا زلزلہ مراد ہے

اس کے بعد جب سارے لوگ مر گئے، اور زمین پر کوئی زندہ نہیں بچا، نہ انسان، نہ جنات، نہ جانور۔ یہاں تک کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں پر بھی ایک طرح کی موت طاری ہوجائے گی، اور کائنات میں سوائے اللہ جل شانہ کی ذات کے کوئی نہیں رہے گا۔ کچھ وقت اس طرح گزرے گا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو پھر دوسری زندگی کا عالم شروع ہوگا۔ اس کو شروع کرنے کے لئے سب سے پہلے فرشتوں کو دوبارہ وجود میں لایا جائے گا، اور اس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صورؔ پھونکیں گے، یہ دوسرا صورؔ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ مُردے کو زندہ کردے، لہٰذا دوسرے صورؔ کے ذریعہ تمام مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس صورؔ کی آواز سے تمام مُردے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے۔ اس سورت میں جس زلزلہ کا بیان آیا ہے، یہ دوسرے صورؔ کے بعد کا ہے۔

سب خزانے باہر آجائیں گے

فرمایا ''اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ '' جب زمین کو بھونچال سے جھنجوڑ دیا جائے گا، یعنی دوسرا زلزلہ آئے گا، اور اس دوسرے زلزلے کا عالم یہ ہوگا کہ لوگ اپنی قبروں سے زندہ ہوکر نکل رہے ہوں گے ''وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢ '' اور اس زلزلے کے نتیجے میں زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال

دے گی، یعنی زمین کے اندر جتنے مردے دفن ہیں، وہ سب زندہ ہوکر باہر آجائیں گے۔ اور اس کی تفسیر میں احادیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ زمین کے اندر جتنے خزانے دفن ہیں، جتنا مال ودولت زمین کے اندر ہے، یا زمین کے اندر جتنی اشیاء انسان کے فائدے کی ہیں، اس زلزلے کے نتیجے میں زمین اس طرح الٹ پلٹ ہوگی کہ وہ سب باہر آجائیں گے، اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ایک مظاہرہ ہوگا کہ جتنے مال و دولت زمین کے اندر دفن تھے، آپ جانتے ہیں کہ زمین کے اندر صرف سونا اور چاندی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر جتنی معدنیات ہیں، جن کے حاصل کرنے کے لئے انسان اپنی بے شمار توانائیاں خرچ کرتا ہے، مثلاً تانبا، پیتل، کوئلہ، لوہا، جن کو قدرتی معدنیات کہا جاتا ہے، ان سب کو زمین باہر اُگل دے گی۔

خزانوں کو باہر اُگلوانے کا مقصد

علماء کرام نے فرمایا کہ ان سارے خزانوں کو باہر اُگلوانے کا ایک مقصد یہ ہوگا تاکہ انسان دیکھ لے کہ یہ ہے وہ مال و دولت جس کی خاطر میں نے دنیا کے اندر دوڑ دھوپ کی تھی، اور جس کی خاطر میں نے دوسروں کے حقوق پامال کئے تھے، اور جس مال و دولت کی خاطر میں نے حلال وحرام کو ایک کیا تھا، جس مال و دولت میں دن رات کھپا ہوا تھا، وہ اس طرح میرے سامنے آگیا ہے کہ اب میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

اس دن یہ خزانے کچھ کام نہ آئیں گے

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب زمین اپنے خزانے اُگل دے گی، اور لوگ دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر کا نظارہ دیکھیں گے، اور یہ دیکھیں گے ہم جس زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے تھے، وہ زندگی تو اب ختم ہوگئی، اور اب نئی زندگی آرہی ہے، اور اس نئی زندگی میں ہمیں اپنے اعمال کے حساب سے بدلہ دیا جائے گا، اور یہاں سونا اور چاندی کچھ کام نہیں آئے گا، اس وقت مال و دولت کے ڈھیر جو سامنے لگے ہوئے ہوں گے، ان کو دیکھ کر وہ انسان جس نے دوسروں کے حقوق غصب کئے تھے، جس نے دوسروں کی زمینیں غصب کی تھیں، جس نے دوسروں کا مال چرایا تھا، وہ شخص اس مال و دولت کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ ہے وہ مال جس کی خاطر میں نے جھگڑے کئے تھے، جس کی خاطر میں نے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، جس کی خاطر میں نے دوسروں کے حقوق پامال کئے تھے، جس کی خاطر میں نے قطع رحمی کی تھی، وہ یہ مال ہے، اور جو آج میرے کسی کام کا نہیں رہا، اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دنیا میں یہ جتنا مال و دولت ہے، یہ حقیقت میں ایسی چیز نہیں ہے، جس کی خاطر انسان اپنی ساری توانائیاں خرچ کرے، حلال و حرام ایک کرکے، جائز اور ناجائز کی تمیز مٹا کر آدمی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

یہ روپیہ پیسہ اپنی ذات سے فائدہ دینے والے نہیں

یہ سونا ہو، یا چاندی ہو، یا کرنسی نوٹ ہوں، یہ اپنی ذات میں انسان کو کوئی فائدہ پہنچانے والی چیز نہیں ہے، اگر فرض کرو کہ ایک آدمی جنگل میں ہے، اور اس جنگل میں نہ کوئی دکان ہے، نہ کوئی بازار ہے، نہ اور کچھ ہے، اور آدمی کے جیب میں نوٹ بھرے ہوئے ہیں، اور اس شخص کو بھوک لگی ہوئی ہے، لیکن وہ آدمی ان نوٹوں کو کھا کر اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا، یا اس کی جیب میں سونا چاندی بھرا ہوا ہے، تو وہ شخص اس سونا چاندی کو کھا کر اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا۔ لہٰذا یہ مال بذات خود کوئی فائدہ پہنچانے والی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ذریعہ بنا دیا ہے کہ اسکے ذریعہ چیزیں خریدی جاتی ہیں، اور انسان اسکے ذریعہ اپنی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

یہ روپیہ پیسہ جائیگا تو فائدہ آئیگا

اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور اولیاء کرام میں سے بھی ہیں، محدثین میں سے ہیں، اور فقہاء میں سے ہیں، وہ ایک بہت خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو سونا چاندی کے سکے ہیں (آجکل ان کی جگہ پر کاغذی نوٹ آ گئے ہیں) یعنی درہم اور دینار، درہم چاندی کا سکہ ہوتا تھا، اور دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا، فرماتے تھے کہ یہ سکے تمہارے ایسے ساتھی ہیں کہ جب تک یہ تمہیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں،

اس وقت تک یہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ حالانکہ ''ساتھی'' وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ رہنے سے انسان کو فائدہ پہنچے۔لیکن یہ ایسا ساتھی ہے کہ یہ اس وقت تک تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک یہ تمہیں چھوڑ کر نہ چلا جائے، کیونکہ جب تک یہ تمہاری جیب میں ہے، اس وقت تک کوئی فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوسکتا، نہ اس کو کھا سکتے ہو، نہ اس کو پہن سکتے ہو، نہ اس کو اپنا مکان بنا سکتے ہو، فائدہ اس کے ذریعہ اس وقت ہوگا جب تم یہ کسی اور کو دوگے، اور یہ تمہیں چھوڑ کر چلا جائے گا، اور اس کے ذریعہ تم کوئی چیز حاصل کروگے، تب تمہیں فائدہ حاصل ہوگا، لہٰذا یہ سکے اپنی ذات میں فائدہ پہنچانے والی چیز نہیں، اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ نظارہ تمہیں دکھا دیں گے۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں پڑھا کہ ایک شخص بڑا مالدار تھا، اور بہت سونا چاندی اس نے جمع کیا ہوا تھا، اور پہلے زمانے میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ اپنا خزانہ زمین کے اندر دفن کر دیا کرتے تھے، چنانچہ اس مالدار شخص نے بھی اپنے خزانے کو رکھنے کے لئے ایسا زمین دوز گودام بنایا ہوا تھا، جس میں سونے چاندی کی اینٹیں اس نے رکھی تھیں، اور اس کا دروازہ اس نے ایسا بنایا تھا کہ اس کے کھولنے کی کل اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا، لہٰذا دوسرا شخص اس گودام کا دروازہ نہیں کھول سکتا تھا۔ایک دن وہ اپنے گودام میں اپنے مال و دولت کو اور سونا چاندی کو گننے کے

لئے گیا، اور اس کو اندر بیٹھ کر گنتا رہا، کچھ دیر کے بعد جب اس کو کھانے پینے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا، اور دروازے کے پاس آکر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن دروازہ کی کل خراب ہونے کی وجہ سے وہ نہ کھل سکا، جس کے نتیجے میں یہ اندر ہی بند ہوگیا، اب وہاں کھانا کھانا چاہتا ہے، اس لئے کہ بھوک لگ رہی ہے، اور پیاس لگ رہی ہے، اور پانی پینا چاہتا ہے، لیکن باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، جہاں سے وہ کھانا اور پانی حاصل کر سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہیں رہا، اور بھوک اور پیاس کی حالت میں تڑپتا ہوا اسی خزانے کے اندر مر گیا۔

یہ وہی مال و دولت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ یہ سارے مال و دولت کے خزانے جو زمین کے اندر ہیں، وہ سب انسان کے سامنے نکال کر ڈھیر کر دیں گے، اور پھر انسان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ مال و دولت ہے جس کی خاطر تم نے ایک دوسرے کا خون بہایا تھا، جس کی خاطر تم نے ایک دوسرے کے حقوق پامال کئے تھے، جس کی خاطر تم ناجائز اور حرام طریقے استعمال کر رہے تھے، اور آج یہ تمہارے کسی کام آنے والا نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾'' یعنی زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی، اس بوجھ میں وہ مردے بھی داخل ہیں جو زمین کے اندر دفن ہیں، اور اس بوجھ میں وہ مال و دولت بھی داخل ہے، جو زمین کے اندر دفن ہے۔ اس دن ایک حسرت کا عالم ہوگا، کہ یہ دوسری زندگی

اب شروع ہو رہی ہے، اور اس دوسری زندگی میں کیا ہونے والا ہے؟ اس وقت انسان کو یاد آئے گا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے اندر کہنے والے کہا کرتے تھے، یعنی پیغمبر نے ہمیں بتا دیا تھا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے، لیکن ہم ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیا کرتے تھے، آج ہماری دوسری زندگی شروع ہو رہی ہے، اور یہ مال و دولت کے خزانے ہمارے کسی کام کے نہیں۔

اس دن زمین ساری خبریں سنادی گی

آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ’’یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴‘‘ اس دن زمین ساری خبریں لوگوں کو سنا دے گی۔ اس کی تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ زمین بول پڑے گی کہ جس زمین پر جو عمل ہوا ہے، وہ زمین اس عمل کی گواہی دے گی، اگر کسی شخص نے کسی زمین پر اچھا عمل کیا ہے تو وہ زمین گواہی دے گی کہ فلاں شخص نے میرے اوپر فلاں نیک عمل کیا تھا، اور اگر برا عمل کیا ہے تو زمین گواہی دے کر بتائے گی کہ میرے اوپر اس شخص نے فلاں وقت میں فلاں برا عمل کیا تھا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس دن زمین اپنی ساری خبریں سنا دے گی۔

زمین کیسے بولے گی؟

کسی کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ یہ زمین تو پتھر اور مٹی ہے، نہ اس میں عقل ہے، نہ اس میں سمجھ ہے، نہ اس میں بولنے کی طاقت ہے، پھر یہ کیسے

بولے گی؟ اور اس میں یہ طاقت کیسے پیدا ہوجائے گی وہ اپنی ساری خبریں سنادے گی؟ خوب سمجھ لیجئے کہ ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، زبان بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اسی کی دی ہوئی گویائی سے زبان بول رہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس زبان کو جو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، گویائی اور بولنے کی طاقت عطا فرماسکتے ہیں تو زمین کے پتھر اور مٹی کو یہ طاقت کیوں عطا نہیں کرسکتے؟ لہٰذا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس زمین میں بولنے کی طاقت عطا فرمادیں گے، اور یہ زمین بول پڑے گی۔

زبان بغیر زبان کے کیسے بول رہی ہے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ ایک مرتبہ ریل میں سفر کررہے تھے، دوران سفر ایک صاحب نے ان سے یہ سوال کیا کہ حضرت! قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اعضاء گواہی دیں گے، ہاتھ بھی بول پڑے گا، پاؤں بھی بولیں گے، تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ یہ ہاتھ بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ اس لئے کہ ان ہاتھوں میں تو کوئی زبان لگی ہوئی نہیں ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ یہ زبان بغیر زبان کے کیسے بول رہی ہے؟ یعنی اگر ہر چیز کے بولنے کے لئے زبان کا ہونا ضروری ہے تو پھر یہ زبان بھی گوشت کا ایک لوتھڑا ہی ہے، وہ بغیر زبان کے کیسے بول رہی ہے؟ مطلب آپ کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تو اس

زبان کے اندر یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ بولے، اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں بولنے کی اس طاقت کو سلب کر لیتے ہیں، چنانچہ کتنے لوگ ہیں کہ ان کی زبان ہے، لیکن گویائی کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ زبان کے اندر بولنے کی طاقت عطا فرما سکتے ہیں تو وہ چاہیں تو ہاتھ میں یہ طاقت پیدا فرمادیں، اور اگر وہ چاہیں تو پاؤں میں یہ طاقت پیدا فرمادیں، اور اگر وہ چاہیں تو پتھر اور مٹی میں یہ طاقت پیدا فرمادیں۔

بچے کو بولنے کی طاقت دیدی

کتنے واقعات ایسے ہوئے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے بچے کو بولنے کی طاقت عطا فرمادی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ پیدا ہوتے ہی ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۛ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾

(مریم:۳۰)

یہ الفاظ پیدا ہوتے ہی ان کی زبان پر جاری کر دیے۔ اس میں کیا پریشانی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بڑے انسان کو گویائی کی طاقت عطا فرما سکتے ہیں، اسی طرح چھوٹے بچے کو بھی گویائی کی طاقت دے سکتے ہیں، اور جب چھوٹے بچے کو اللہ تعالیٰ گویائی کی طاقت دے سکتے ہیں، تو وہ طاقت پتھر کو بھی دے سکتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ زمین کے اندر قوت گویائی پیدا کر دی جائے گی۔

زمین انسانوں کے اعمال کی گواہ ہے

اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ یہ زمین درحقیقت انسانوں کے اعمال کی گواہ ہے، جو عمل بھی تم زمین کے کسی حصہ پر کر رہے ہو، وہ زمین آخرت میں تمہاری گواہ بن رہی ہے، اور جب تم کوئی عمل کرو تو یہ مت سمجھو کہ میں ایک ایسی زمین میں عمل کر رہا ہوں، جہاں مجھے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو دیکھ ہی رہے ہیں، لیکن جس زمین پر تم جو عمل کر رہے ہو، اگرچہ بظاہر تم کو کوئی دیکھنے والا نظر نہیں آ رہا ہے، مگر وہ زمین دیکھ رہی ہے، اور وہ زمین آخرت میں گواہی دے گی کہ میری پشت پر اس شخص نے فلاں گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ قیامت کے روز زمین سارے واقعات بیان کر دے گی۔

آخرت کا عالم بالکل مختلف ہے

بعض اوقات ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب سے انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ چل رہا ہے، اربوں کھربوں انسان پیدا ہو چکے ہیں، اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، اور اس وقت تک ان کی تعداد کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔ لیکن ان سب انسانوں میں سے ہر ایک کے بارے میں زمین کیسے گواہی دے گی؟ اس لئے کہ ایک گز زمین کے ٹکڑے پر کروڑوں سال کے دوران کس شخص نے کیا عمل کیا تھا؟ ان سب کی کتنی بڑی داستان ہو گی تو وہ زمین ہر ایک کے بارے میں کس طرح بتائے گی؟ ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا

ہے۔ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخرت کا جو عالم بنایا ہے، وہ دنیا کے عالم سے مختلف ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

(حج:۴۷)

''یعنی تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے'' اس وقت کا جو عالم ہوگا، اس کے اندر وقت کی اور زمانے کی کیفیت ہی بدل جائے گی۔

وقت کے اندر لمبائی بھی ہے چوڑائی بھی

بعض علماء نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں کی ایک لمبائی ہوتی ہے، اور ایک چوڑائی ہوتی ہے، اور ایک گہرائی ہوتی ہے، وقت کے بارے میں عام طور یہ سمجھا جاتا ہے کہ وقت کے اندر لمبائی ہی لمبائی ہے، لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت کے اندر لمبائی بھی ہے اور چوڑائی بھی ہے، البتہ ہمیں صرف لمبائی نظر آتی ہے، چوڑائی نظر نہیں آتی، اور وقت کی چوڑائی میں بے شمار کام مختصر وقت میں انجام پاجاتے ہیں، جو عام حالات میں انسان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ بہرحال! قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو طاقت عطا فرمادیں گے جو کچھ عمل اس پر ریکارڈ ہوا ہے، وہ سب انسان کو دکھا دیا جائے گا، اور زمین یہ بتادے گی کہ میری پشت پر فلاں شخص نے فلاں عمل کیا ہے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس زمین کو گویائی کی طاقت عطا

فرمادیں گے۔

خلاصہ

اسی لئے بزرگوں سے فرمایا کہ اگر کسی وقت کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو جس زمین پر گناہ ہوا ہے، اسی زمین پر توبہ بھی کرلے۔ تاکہ قیامت کے روز جب وہ زمین گناہ کی گواہی دے تو ساتھ میں توبہ کی بھی گواہی دے، اسی لئے اسی جگہ پر توبہ کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو، اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ جتنا بھی بڑے سے بڑا گناہ ہو، لیکن اگر سچے دل سے توبہ کرلی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں، اس طرح جب تم نے اس زمین کو گناہ کا گواہ بنایا تو ساتھ میں توبہ کا بھی گواہ بنالیا۔

اب وقت ختم ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو انشاء اللہ اس سورت کا باقی ماندہ حصہ تفصیل کے ساتھ اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

میدانِ حشر میں کس طرح جمع کیا جائیگا؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا ۚ﴿۳﴾ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا ؕ﴿۵﴾ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ؕ﴿۶﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾

(سورۃ الزلزال)

تمہید اور ترجمہ

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز: یہ سورۃ الزلزال ہے، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، گزشتہ جمعہ میں اس سورت کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حساب وکتاب کا منظر بیان فرمایا ہے، کہ اس وقت کو مت بھولو، جب اس زمین کو ایک بھونچال کے ذریعہ جھنجوڑ دیا جائیگا، اور زمین اپنے سارے بوجھ باھر نکال دیگی، اور وہ زمین اپنی ساری خبریں لوگوں کو بتادیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کام کا حکم دیا ہوگا، اور اس دن لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں قبروں سے اٹھ کر جائیں گے، تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھادیے جائیں۔ جس شخص نے ایک ذرہ برابر بھی کوئی بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ یہ ہے اس سورت کا ترجمہ۔

قیامت کا زلزلہ

جیسا کہ گزشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اس وقت کے حالات کا بیان ہورہا ہے جس وقت تمام مردوں کو قبروں سے زندہ کرکے اُٹھایا جائیگا۔ اس وقت پوری زمین پر ایک زلزلہ طاری ہوگا۔ اور اس زلزلہ کے نتیجے میں ایک طرف تو مردے زندہ ہوکر باھر آجائیں گے۔ اور دوسری طرف زمین کے اندر چھپے ہوئے جتنے خزانے اور دفینے ہیں، زمین ان کو اُگل کر باھر پھینک دیگی۔

دوبارہ زندہ کرنا اللہ کیلئے مشکل نہیں

مردوں کو زندہ کرنے کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگا، اور یہی وہ چیز ہے جس کا کافر لوگ انکار کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ:

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾

(الواقعۃ : آیت ۴۷)

کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہوجائیگا، اور ہم مٹی میں مل جائیں گے اس وقت ہم دوبارہ کیسے زندہ ہونگے؟۔ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار فرمایا کہ اللہ کے بندو، جب تم اپنا بالکل وجود ہی نہیں رکھتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی عطا فرمائی ۔ پانی کے ایک قطرے سے تمہیں کس طرح پہلے ''مضغہ'' بنایا، پھر اس سے لوتھڑا بنایا، پھر اس کو گوشت میں تبدیل کیا، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں، پھر تمہارے اندر روح پھونکی، جس کے نتیجے میں تم زندہ ہوگئے۔ لہذا جس وقت تمہارا بالکل وجود نہیں تھا، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہیں زندہ کیا ہے۔ تو جب ایک مرتبہ تم وجود پاکر مرچکے ہوگے تو اس کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اللہ کیلئے کیا مشکل ہے؟

تاکہ تمہیں بدلہ دیا جائے

قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ط (النّٰزعت: آیت ۲۷)

ارے، کیا تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے، یا پوری کائنات پر پھیلے ہوئے اس آسمان کی تخلیق زیادہ مشکل تھی، تمہارا تو پانچ چھ فٹ کا چھوٹا سا وجود ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات پیدا کی ہوئی ہے۔ لہذا جب تمہیں ابتداءً پیدا کر دیا تھا، تو اب مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، وہ زندگی اسلئے ہوگی تاکہ اس زندگی میں تم نے جو کچھ عمل کیا ہے، وہ تمہارے سامنے آجائے۔ اور تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے، اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے، اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے۔

یہ مال و دولت کچھ کام نہ آئیگا

بہرحال! قیامت کے روز زلزلہ کے نتیجے میں ایک طرف تو مردے زندہ ہوکر باہر آجائیں گے، اور دوسری طرف زمین اپنے خزانے اُگل دیگی، جس کی تفصیل میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کی تھی کہ جب وہ خزانے سامنے ہونگے تو لوگوں سے کہا جائیگا یہ مال دولت ہے جس کی خاطر تم ایک دوسرے کا خون کیا کرتے تھے، لڑائیاں، جھگڑے کیا کرتے تھے، مقدمہ بازیاں کیا کرتے تھے، اس مال و دولت کی حقیقت یہ ہے کہ آج وہ تمہارے کسی کام نہیں آرہا ہے، آج اگر کوئی چیز کام آئیگی تو وہ تمہارا ''عمل'' ہے جو تمہارے کام آئیگا۔

زمین و پتھر میں شعور موجود ہے

پھر آگے فرمایا: ''یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤'' کہ اس دن زمین

اپنے سارے واقعات لوگوں کو برملا بتادیگی کہ میری پشت پر کیا کیا واقعات پیش آئے۔اور کس شخص نے کیا عمل کیا، یہ تفصیل زمین بتادیگی۔بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ یہ زمین تو جمادات میں سے ہے، پتھر ہے، اس میں شعور نہیں اس میں احساس نہیں ،وہ کیسے ان واقعات کو محفوظ رکھے گی،اور پھر بتادیگی؟ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، جو آج عام طور سے ہمارے ذھنوں میں پائی جاتی ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو پتھر ہے یہ بالکل بے جان ہے، بے شعور ہے، اسکے اندر نہ سمجھ ہے، نہ اس کے اندر محسوس کرنے کی طاقت ہے،ہم اس کوایک بے جان اور بے حس وحرکت پتھر سمجھتے ہیں،لیکن قرآن کریم نے جگہ جگہ اس غلط فہمی کو دور کیا ہے،اور فرمایا کہ اگر یہ پتھر تمہارے سامنے حرکت نہیں کررہا ہے یا یہ پتھر بول نہیں رہا ہے۔یا اپنی جگہ سے ہل نہیں رہا ہے تو تم یہ نہ سمجھو کہ وہ بالکل بے شعور ہے،ایسا نہیں ہے،اس کائنات کی تمام چیزیں جو دیکھنے میں بے جان نظر آتی ہیں ان کے اندر بھی کچھ نہ کچھ شعوراور احساس اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

ہر چیز تسبیح خواں ہے

چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ (الاسراء: آیت ۴۴)

یعنی کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان نہ کرتی ہو،اور اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح نہ کرتی ہو،لیکن تمہیں ان کا تسبیح کرنا سمجھ میں نہیں

آتا،تم اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ ورنہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کررہی ہے یہ پتھر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر رہے ہیں، یہ درخت بھی، یہ دریا بھی، یہ پہاڑ بھی، یہ آسمان بھی یہ زمین بھی یہ آسمان کے ستارے بھی، یہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کررہے ہیں۔ لیکن تمہیں ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں ہے۔

پتھروں میں اللہ کی خشیت

ایک جگہ تو خاص طور پر پتھروں کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا:

وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (البقرۃ: آیت ۷۴)

بعض پتھر ایسے ہیں کہ بعض مرتبہ یہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت سے لڑھک جاتے ہیں، یعنی ان کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کا رعب موجود ہے۔ ایک اور جگہ پر قرآن کریم نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر: آیت ۲۱)

کہ اگر ہم نے یہ قرآن کریم کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا، تو تم دیکھتے کہ وہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی خشیت سے جھکا ہوا ہے، اور پھٹا پڑ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اندر بھی سمجھ موجود ہے۔

درختوں میں شعور موجود ہے

احادیث مبارکہ میں تو بہت سے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک حدیث

میں آتا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے سوال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا تمہارے پاس سے اتنے دنوں میں کوئی ایسا شخص بھی گزرا جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہو؟ لہٰذا قرآن وحدیث نے یہ بات واضح کردی ہے کہ یہ پتھر جن کو تم بے جان اور بے شعور سمجھتے ہو، ان کے اندر بھی اپنے حساب سے کچھ نہ کچھ شعور موجود ہے، یہ بات تو آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن وحدیث نے کہی تھی، مگر اب تو موجودہ سائنس بھی رفتہ رفتہ اس بات کو تسلیم کررہی ہے کہ ان پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے۔ اور ان میں بھی حرکت ہوتی ہے۔ ان درختوں میں بھی شعور موجود ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کوئی درخت کسی دیوار کے کنارے کھڑا ہوا ہو، اور اس کے آگے بڑھنے کے راستے میں دیوار حائل ہورہی ہو تو وہ درخت اپنا رخ موڑ لیتا ہے، بتایئے کس نے اس کا رخ موڑا؟ چونکہ اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حساب سے ایک قسم کا شعور عطا فرمایا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔

ہر چیز کو ہدایت بھی عطا فرمائی

ایک اور جگہ پر قرآن کریم نے فرمایا:

أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝۵۰ (طٰہٰ: آیت ۵۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو تخلیق فرمایا، اور پھر اس شئ کو جسکی تخلیق فرمائی تھی، اسکے مناسب اسکو ہدایت بھی دی۔ یعنی اسکے مناسب اللہ تعالیٰ نے اسکو یہ سکھا یا کہ تمہیں اپنی زندگی برقرار رکھنے کیلئے کیا کرنا ہے۔ بہرحال، قرآن وحدیث نے چودہ سو سال پہلے ان بے جان اشیاء کے اندر شعور موجود ہونے کے

بارے میں بتادیا تھا۔اور سائنس اب بتارہی ہے۔

پتھروں میں نشوونما موجود ہے

چند سال پہلے مجھے ''ویسٹ انڈیز'' کے ایک شہر میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پر ایک غار تھا، میزبان ہمیں اس غار کے اندر لے گئے، اس غار میں لوگوں نے دکھایا کہ ایک پتھر ہے، اور اس پتھر پر آج سے سو سال پہلے کسی شخص نے ایک نشان لگادیا تھا، اور وہ نشان اس پتھر کے بالکل کنارے پر لگایا تھا، اور اب سو سال کے بعد وہ پتھر اس نشان سے کچھ آگے بڑھ گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پتھروں کے اندر بھی نمو موجود ہے، اور ان کے اندر بھی بڑھوتری پائی جاتی ہے۔ اس قسم کے تجربات کی روشنی میں آج کی سائنس بھی یہ بات مانتی ہے کہ ان پتھروں کے اندر نمو موجود ہے۔

یہ زمین ہماری جاسوس ہے

بہرحال، اللہ تعالیٰ اس سورت میں یہ فرمارہے ہیں کہ یہ زمین جس کے بارے میں تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ زمین گونگی اور بہری ہے، اور یہ اندھی ہے، یہ نہ تو سُن سکتی ہے، نہ یہ دیکھ سکتی ہے، نہ یہ بول سکتی ہے، حقیقت میں یہ زمین ہماری جاسوس ہے اور ہماری مخبر ہے، اس زمین کا ہر حصہ اور ہر ٹکڑا اتنا شعور رکھتا ہے کہ اس کی پشت پر کیا عمل ہورہا ہے، تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تنہائی میں یہ عمل کررہا ہوں، کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا ہے، لیکن ہمارا یہ جاسوس تمہیں دیکھ رہا ہے، اور

قیامت میں اسکے جاسوس ہونے کا مظاہرہ ہوگا جس وقت زمین کا یہ حصّہ گواہی دیگا کہ کس بندے نے میری پشت پر کیا عمل کیا تھا، ''یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۝۴'' اس بات کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں آج ہی خبر دیدی ہے۔

یہ زمین سچی گواہی دیگی

اب کسی کے دل میں یہ خیال ہوسکتا تھا کہ یہ زمین جو گواہی دیگی، یہ کیا ضروری ہے کہ وہ سچی گواہی دے گی، اسلئے کہ گواہی سچی بھی ہوسکتی ہے، اور جھوٹی بھی ہوسکتی ہے، گواہ سچ بھی بول سکتا ہے، اور جھوٹ بھی بول سکتا ہے، تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ۝۵ (الزلزال: آیت ۵)

یعنی یہ زمین گواہی اسلئے دیگی کہ اسکے پروردگار نے اس کو اس کام کا حکم دیا ہوگا، اگر کوئی شخص کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دیتا ہے، تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس شخص کے ساتھ اسکی دشمنی ہے جسکی وجہ سے اسکے خلاف جھوٹی گواہی دے رہا ہے، حالانکہ یہ شخص بے چارہ معصوم اور بے گناہ آدمی ہے، لیکن اس کے خلاف جھوٹی گواہی دے رہا ہے کہ اس نے فلاں جرم کا ارتکاب کیا تھا، کیونکہ اسکے ساتھ اسکی دشمنی ہے، لہٰذا اسکو سزا دلوانا چاہتا ہے۔

یہ زمین تمہاری دشمن نہیں

یہ زمین تمہاری دشمن کیا ہوتی۔ بلکہ یہ تو تمہاری ماں ہے، تم اس زمین کیلئے

ایسے ہو جیسے ماں کیلئے بیٹے ،لہذا یہ زمین تو تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں رکھتی ،یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے اچھا کام کیا ہوگا،اسکی اچھائی کی گواہی دیگی ،اورجس شخص نے براکام کیا ہوگا،اسکی برائی کی گواہی دیگی ،لہذا اس زمین کی تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ گواہی دلوار ہے ہیں

دوسرے جھوٹی گواہی دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ خوداس زمین کوتوتمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے،لیکن کوئی بڑا صاحب اقتدار ہے،جس نے اس زمین کومجبورکردیا ہے کہ تم فلاں کے خلاف گواہی دو،اوراس صاحب اقتدار کواس شخص کے ساتھ دشمنی تھی۔زمین کو دشمنی نہیں تھی ،لیکن اس صاحب اقتدار کے مجبورکرنے کی وجہ سے زمین نے اسکے خلاف گواہی دی، اسلئے کہ اس کے پاس اسکے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ ''یعنی زمین کوگواہی دینے کاحکم کس نے دیاہے؟ یہ حکم تمہارے پروردگارنے دیاہے،جس ذات نے تمہیں پالاپوسا،جس ذات نے تمہیں رزق دیا،جس نے تمہارے اُوپر دنیا کی نعمتیں برسائیں ،اس ذات نے زمین کو یہ حکم دیاہے کہ جوصحیح بات ہے،وہ بولو۔جوباپ اپنے بیٹے کو پال پوس رہا ہے،کیا وہ اپنی اولاد کے خلاف جھوٹی گواہی دلوائیگا؟اللہ تعالیٰ تو انسان پر باپ اور ماں سے زیادہ شفیق اورمہربان ہیں ،لہذا اگر اللہ تعالیٰ زمین سے گواہی دلوارہے ہیں تو وہ کسی دشمنی کی بنیاد پرنہیں،کسی عداوت کی بنیاد پرنہیں ،کسی

عناد کی بنیاد پر نہیں، بلکہ حقیقت حال ظاہر کرنے کیلئے یہ گواہی زمین سے دلوار ہے ہیں، لہذا اس گواہی میں جھوٹ کا کوئی احتمال نہیں۔

تمارے پروردگار نے اسکو حکم دیا ہے

اور پھر اس جگہ پر قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ ''بِاَنَّ اللّٰهَ اَوْحٰی لَهَاؕ۝۵'' کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم گواہی دو، بلکہ فرمایا، ''بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَاؕ۝۵'' ''لفظ رَبَّ'' استعمال کیا، یعنی اس ذات نے زمین کو گواہی کا حکم دیا ہے جو تمہاری پروردگار ہے، جو تمہارے اوپر انتہائی شفیق اور مہربان ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، جس نے تمہاری پرورش کی ہے۔ اسلئے اس بات کا کوئی احتمال نہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ کوئی دشمنی کی ہوگی۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ

(النساء: آیت ۱۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر کیا کریں گے، اگر تم نے شکر کا معاملہ کیا، اور تم ایمان لے آئے، اسلئے کہ تمہیں عذاب دیکر اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

ہمیں کس نے اُٹھا دیا؟

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ۝۶

(الزلزال: آیت ۶)

اس دن لوگ قبروں سے اُٹھ کر ٹولیوں کی شکل میں روانہ ہوجائیں گے، ''سورۃ یٰسین'' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مردے جو قبروں میں پڑے ہوئے تھے، جب ایک دم سے اچانک اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکا جائیگا، اور ان مردوں کے اندر زندگی آجائیگی، اور قبریں کُھل جائیں گی، اور وہ مردے باہر نکل آئیں گے تو اس وقت بے ساختہ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ''یَاوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا'' یہ اچانک کیا ہوگیا؟ ہم تو سورہے تھے۔اور سوتے سوتے ہمیں کس نے اُٹھادیا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جائیگا:

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

(یٰسٓ: آیت ۵۲)

یہ وہی واقعہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا، اور جسکی سچی خبر پیغمبروں نے دی تھی، تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، ان کو احساس ہوگا اور کہیں گے کہ افسوس کہ ہم تو دنیا میں اس واقعہ کو جھٹلاتے رہے، آج یہ حقیقت بن کر ہمارے سامنے آگئی۔

پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے

جب مردے زمین کے اوپر اُٹھ کھڑے ہونگے تو اس کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

(طٰہٰ: آیات ۱۰۶۔۱۰۷)

یعنی وہ زمین اس وقت ایسی ہموار اور چٹیل میدان بن جائیگی کہ نہ اس زمین میں کوئی ٹیڑھ نظر آئیگی، اور نہ اس کے اندر کوئی ٹیلہ نظر آئیگا، نہ کوئی ابھار نظر آئیگا، اسکے بعد کیا ہوگا؟ اسکے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا:

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ (طٰہ: آیت ۱۰۸)

یعنی اس دن جتنے انسان قبروں سے زندہ ہونگے وہ سب ایک پکار نے والے اور بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے، وہ ایک فرشتہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو میدان حشر کی طرف لیجانے کیلئے پکار رہا ہوگا۔ اور اس پکار نے والے کی پکار کے جواب میں کوئی شخص ٹیڑھ کا مظاہرہ نہیں کر سکے گا۔ آج دنیا میں تو لوگ یہ کر لیتے ہیں کہ جب کسی نے بلایا تو اسکے جواب میں کوئی گیا، اور کوئی نہیں گیا، لیکن اس دن کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اس پکار نے والے کی خلاف ورزی کرے۔ ''وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ'' اور اس دن آوازیں پست ہو جائیں گی۔

میدان حشر میں مختلف گروہ ہونگے

یہ جو فرمایا کہ:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ (الزلزال: آیت ٦)

کہ اس دن لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں جائیں گے۔ اس کی تفسیر بعض حضرات علماء مفسرین نے یہ کی ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے مختلف گروہ بن جائیں گے، مثلاً مومنوں کا گروہ، نیک لوگوں کا گروہ، انصاف کرنے والوں کا گروہ، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کا گروہ، اور دوسری

طرف بدکاروں کا گروہ، شرابیوں کا گروہ، زانیوں کا گروہ، کافروں کا گروہ، اسطرح مختلف اعمال کے اعتبار سے مختلف ٹولیاں بن جائیں گی۔

اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ کرلو

اور پھر ان کو میدان حشر کی طرف کیوں لے جایا جائیگا؟ اسکے بارے میں فرمایا: ''لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾'' تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں، یعنی زندگی میں جو کچھ اعمال کئے تھے، وہ سارے کے سارے اعمال دکھادیے جائیں گی، اور ہر شخص کو اس کا کیا ہوا سارا کچا چٹھا بالغ ہونے سے لیکر مرتے دم تک جو کچھ بھی چھوٹے سے چھوٹا کام کیا ہے، وہ سب اسکے سامنے آجائیگا، اور وہ اعمال ''نامۂ اعمال'' کی شکل میں دکھادیے جائیں گے، جس میں اسکے سارے اعمال درج ہونگے، وہ ''نامۂ اعمال'' دکھایے جائیں گے، اور اس وقت ان سے کہا جائیگا،

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾

(الاسرآء: آیت ۱۴)

آج تم خود ہی اپنا حساب کتاب کرلو، یہ تمہارا کچا چٹھا ہے، جو کچھ تم نے کیا تھا، وہ سب تمہارے سامنے آگیا، تم خود ہی اپنا فیصلہ کرلو کہ تم انعام کے مستحق ہو، یا سزا کے مستحق ہو۔

تمام اعمال کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے

پہلے زمانے میں لوگوں کو یہ سمجھنے میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ حضرت آدم u سے لیکر قیامت تک اربوں، کھربوں، پدموں انسان آئے ہیں،

اور آئیں گے، کسی انسان کی زندگی ستّر سال، کسی کی اسّی سال، کسی کی نوے سال، کسی کی سو، اور کسی کی سو سے بھی زیادہ ہوگی پہلے زمانے میں لوگوں کی عمریں سیکڑوں سال ہوا کرتی تھیں۔ اور ان سب انسانوں کے چھوٹے چھوٹے اعمال، اور ان کے دلوں کے خیالات، یہ ساری باتیں کس طرح اعمال ناموں میں جمع ہو جائیں گی؟ ایک مسلمان کو یقین دلانے کیلئے اتنی بات بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق ہے، وہ اگر انسان کے تمام اعمال کو ریکارڈ کر کے لوگوں کے سامنے رکھے، تو اس میں کیا محال بات ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے؟ ایک مسلمان کیلئے تو اتنی بات کافی ہے۔

آج کمپیوٹر نے اس کا سمجھنا آسان کر دیا

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (حٰمٓ السجدۃ: آیت ۵۳)

یعنی ہم اپنی قدرت کی نشانیاں تمہیں آفاق میں، اور خود تمہاری جانوں میں دکھاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ہماری باتوں کے بارے میں پتہ چل جائیگا کہ یہ سب حق ہیں چنانچہ آج کے دور میں ''کمپیوٹر'' نے لوگوں کیلئے یہ سمجھنا آسان کر دیا ہے کہ صرف ایک بٹن دبانے سے پورا کچا چٹھا سامنے آجاتا ہے، جب انسان کو دی ہوئی محدود سمجھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چیز پیدا فرما دی، تو آخرت میں تمام انسانوں کے اعمال کا کچا چٹھا اگر اللہ تعالیٰ سامنے لے آئیں تو اس میں

کیا بعید ہے؟

ہر کام سوچ سمجھ کر کرو

یہاں تک تو اتنی بات یہ بتانے کیلئے فرمائی گئی ہے کہ تم جو کچھ حرکت کررہے ہو، چاہے وہ تمہاری زبان کی حرکت ہو، چاہے تمہاری آنکھ کی حرکت ہو، چاہے کان کی حرکت ہو، چاہے ناک کی حرکت ہو، یا ہاتھ اور پاؤں کی حرکت ہو ، یہ سب ریکارڈ ہورہی ہے، اور ہرایک کے بارے میں لکھا جارہا ہے، اسکے گواہ تیار ہورہے ہیں۔ یہ زمین گواہی دینے والی ہے، تمہارے یہ اعضاء اور جوارح گواہی دینے والے ہیں اسلئے جو کام تم کررہے ہو، اسکو ذرا سوچ سمجھ کر کرو کہ اس کام کا آخرت میں کیا انجام ہونے والا ہے، چنانچہ اگلی آیت میں اسی انجام کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اسکی تفسیر انشاء اللہ اگلے جمعہ کو عرض کرونگا۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرش کے سائے میں

جگہ حاصل کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا ﴿۳﴾ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا ﴿۵﴾ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

(سورۃ الزلزال، آیات ۱ تا ۸)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: یہ سورۃ الزلزال ہے، جس کی تشریح کا سلسلہ گزشتہ دو جمعوں سے چل رہا ہے۔ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے اور میدان حشر کی طرف جانے کا منظر بیان فرمایا ہے کہ جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور زمین اپنے تمام خزانے اُگل دے گی، مردے قبر سے باہر آجائیں گے ــــــ یہ سب مناظر بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں۔

اعمال نامہ دکھا دیا جائیگا

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝

(سورۃ الزلزال، آیت ۶)

یعنی اس دن لوگ مختلف ٹولیوں میں اور مختلف گروہوں میں بٹ کر میدان حشر کی طرف جا رہے ہوں گے، تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں ــــــ اعمال دکھا دیئے جانے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نامۂ اعمال ان کے سامنے آجائے گا اور زندگی بھر جو کچھ عمل کیا تھا، اچھا یا برا، اس کا کچا چٹھا اللہ تعالیٰ ہر انسان کے سامنے پیش کردیں گے اور وہ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، ایک مطلب تو یہ ہے۔

اعمال کا انجام سامنے آجائیگا

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال کا انجام اس کے سامنے آجائے گا، محاورے میں بھی ہم یہ بولتے ہیں کہ ''تم اپنے اُس عمل کو دیکھ لوگے'' یعنی اس عمل کا اچھا یا برا انجام دیکھ لوگے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک شخص میدان حشر میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اپنے سارے اعمال کا انجام دیکھ لے گا۔ اچھا انجام بھی اور برا انجام بھی۔

میدانِ حشر کی طرف جانے کے ذرائع

اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں اور مختلف گروہوں کی شکل میں جا رہے ہوں گے۔ اس کی تفصیل ایک حدیث میں آئی ہے، جس میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر میدان حشر میں لے جایا جائے گا تو اس وقت کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو پیدل چل رہے ہوں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو میدان حشر تک جانے کے لئے اللہ تعالیٰ سواری مہیا فرمائیں گے اور ان کو پیدل چلنے کی مشقت سے محفوظ رکھا جائے گا ___ اللہ بچائے ___ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو منہ کے بَل گھسٹ رہے ہوں گے، اس تیسرے گروہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں فرمایا کہ:

نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ

صُمًّا ؕ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۹۷)

یعنی وہ لوگ منہ کے بل گھسیٹے ہوئے اس طرح جا رہے ہوں گے کہ وہ لوگ اندھے، بہرے اور گونگے ہونگے۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے دنیاوی زندگی کے اعمال کے مطابق مختلف گروہوں میں تقسیم فرما دیں گے اور ان گروہوں سے ان کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا۔

قبر سے اٹھتے ہی سختیاں شروع ہو جائیں گی

اللہ بچائے ــــــ اگر اعمال خراب ہیں، یا کفر و شرک کے ساتھ زندگی گزاری ہے تو اس کا انجام قبر سے اٹھتے ہی میدان حشر میں ہی ان کے اوپر سختیاں شروع ہو جائیں گی۔ قرآن کریم میں سورہ ابراہیم کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۟ۙ

(سورہ ابراہیم، آیت ۴۲)

یعنی دنیا میں ظالم لوگ جو دوسرے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں، مثلاً کسی کا مال لوٹ لیا، کسی کی جان لیلی، کسی کو ناحق نقصان پہنچا دیا، کسی کو دھوکہ دیدیا، ان کے بارے میں یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل ہیں۔ غافل نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسّی دراز کی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ایک

ایسے دن کے لئے ڈھیل دے رہا ہے جس دن ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، یعنی جب یہ لوگ قبر سے اٹھیں گے، اور میدان حشر کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو اس وقت ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ آگے فرمایا:

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ (سورہ ابراہیم، آیت ۴۳)

وہ لوگ پکارنے والے کی پکار کے جواب میں میدان حشر کی طرف دوڑے تو جا رہے ہوں گے۔ لیکن اس طرح کہ پریشانی کی حالت میں اور سراسیمگی کی حالت میں ان کے چہرے اٹھے ہوئے ہوں گے اور ان کی انکھیں پلٹ کر ان کی طرف نہیں آئیں گی، یعنی ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں گی، اور ایسا لگ رہا ہوگا جیسے وہ لوگ کچھ نہیں دیکھ رہے ہیں ____ اور ان کے کلیجے ایسے ہوں گے جیسے وہ ہر قسم کی بات سے خالی ہیں، اور خوف کے مارے اور دہشت کے مارے ان کے دل اور کلیجے اڑ رہے ہوں گے، منظر کے ہولناک ہونے کی وجہ سے ان کی یہ کیفیت ہوگی۔

میدانِ حشر اور سختی کا عالم

یہ بات تو آپ حضرات نے بچپن سے سنی ہوگی جو احادیث میں آتی ہے کہ خود میدان حشر کی سختی کا یہ عالم ہوگا کہ سورج قریب آجائے گا، اور اس کی گرمی اتنی شدید ہوگی کہ اس کی وجہ سے لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے، اور ہر شخص اپنے ہی پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، کسی کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا پسینہ کمر تک ہوگا

اور کسی کا پسینہ سینے تک ہوگا، اتنی شدید گرمی کا عالم ہوگا اور اس کی وجہ سے لوگوں کو جو گھبراہٹ، پریشانی، اور جو تکلیف ہوگی، دنیا کی کوئی پریشانی، کوئی تکلیف اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس پریشانی کو ''اَلْفَزَعُ الْاَکْبَرُ'' سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی سب سے بڑی پریشانی اور سب سے بڑی گھبراہٹ، دنیا میں اگر کسی کو بد سے بدتر پریشانی پیش آئی ہو، میدان حشر میں اس سے بھی بڑی پریشانی ہوگی۔ تو جن لوگوں کے اعمال خراب ہوں گے، وہ میدان حشر میں اس سختی کے عالم میں ہوں گے، جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ بہرحال! ایک گروہ تو یہ ہوگا جو کافروں اور فاسقوں کا اور ظالموں کا اور بدعملوں کا گروہ ہوگا جن کا حشر اس طرح ہوگا۔

میدانِ حشر اور عرش کا سایہ

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے دنیاوی زندگی میں اپنے آپ کو قابو میں رکھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی گزاری، گناہوں سے پرہیز کیا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی زندگی کے لمحات صرف کئے اور زندگی کی قدر پہچانی ان کے لئے بھی وہی میدان حشر ہوگا، وہی سورج ہوگا، دھوپ ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے لئے میدان حشر کی تمام سختیوں کو آسان فرمادیں گے۔ کیسے آسان فرمائیں گے؟ جبکہ ایک طرف لوگ اپنے پسینوں میں شرابور ہونگے ___ اس طرح آسان فرمائیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں ___ اس عرش کے سائے کی کیا کیفیت ہوگی؟ آج ہم لوگ اس کا تصور

نہیں کر سکتے۔

''امام عادل'' عرش کے سایہ میں ہوگا

لیکن صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ میدان حشر کی سختی میں اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے، وہ سات آدمی کون ہیں؟ فرمایا پہلا شخص ''امام عادل'' ہے، یعنی جو حکمران ہو، اور عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کر رہا ہو، مثلاً کوئی شخص کسی ریاست کا سربراہ ہے، اور وہ اپنی رعایا کے ساتھ محبت کا، شفقت کا اور انصاف کا معاملہ کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

وہ ''نوجوان'' عرش کے سایہ میں ہوگا

دوسرا شخص ''شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ'' یعنی وہ نوجوان جس کی اٹھان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی ہو، یعنی جب سے اس نے بلوغ کے اندر قدم رکھا اور جب سے وہ جوان ہوا، اس وقت سے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ذوق تھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا، چونکہ جب انسان نابالغی سے جوانی کے مرحلے میں قدم رکھتا ہے تو دنیا کی رنگینیاں اور دنیا میں پھیلے ہوئے فسق و فجور اور گناہ اس کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ جوانی کا کچھ تقاضہ ہوتا ہے کہ انسان اس جوانی کی رنگینیوں میں اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ لیکن جس نے

جوانی کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی گزاری اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا تو وہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوگا اور اس کو میدان حشر کی سختی پریشان نہیں کرے گی۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ بچوں میں بچپن ہی سے اس کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے کہ وہ بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے عادی بنیں۔ گناہوں سے پرہیز کرنے کی فکر کریں۔ پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزاریں تو پھر انشاء اللہ میدانِ حشر میں ان کو کوئی تکلیف اور مشقت پیش نہیں آئے گی۔

اللہ کیلئے محبت کرنے والے عرش کے سایہ میں

تیسرے شخص کے بارے میں فرمایا ’’رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللہِ و تَفَرَّقَا عَلَیْہِ‘‘ یعنی دو آدمی ہیں اور ان کے درمیان آپس میں محبت ہے، لیکن وہ محبت صرف اللہ کی خاطر ہے ـــــ دیکھئے، دنیا میں بعض محبتیں دنیاوی مفادات کی خاطر ہوتی ہیں، مثلاً کوئی شخص دوسرے سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ یہ میری مدد کرے گا، کوئی اس لئے محبت کرتا ہے کہ یہ مجھے پیسے دے گا، کوئی اس لئے محبت کرتا ہے کہ میرا کام اس کے پاس اٹکا ہوا ہے، یا کوئی شخص اس لئے محبت کرتا ہے کہ یہ میری نفسانی خواہشات پوری کرے گا ـــــ بہرحال! ایک محبت اِن اغراض کے لئے ہوتی ہے ـــــ اور دوسری محبت وہ ہے جس کا محرک اور جس کا سبب سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے اور کچھ نہیں ہے، مثلاً کوئی نیک آدمی ہے،

اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے۔ علم دین رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ اس سے تمہیں محبت ہوگئی، کیوں محبت ہوگئی؟ حالانکہ وہ تمہیں پیسے نہیں دے گا، وہ تمہیں کوئی دنیاوی راحت مہیا نہیں کرے گا۔ لیکن صرف اس لئے محبت ہوگئی کہ یہ شخص اللہ والا ہے، اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے، صرف اس وجہ سے میں اس سے محبت کرتا ہوں، وہ نیک بندہ بھی اس سے محبت کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے۔ تو یہ دونوں اس حدیث کے مصداق میں داخل ہوں گے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ میدان حشر میں اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

قیامت کے روز وہ محبوب کے ساتھ ہوگا

ایک صحابی نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں انہی صحابی سے سوال کیا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ یعنی تم جو پوچھ رہے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے اشتیاق میں ہو تو پھر اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ جواب میں ان صحابی نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے بہت زیادہ نماز روزے تو نہیں کئے، یعنی صرف فرائض و واجبات تو ادا کر لیتا ہوں، لیکن بہت زیادہ نفلی نمازیں، نفلی روزے وغیرہ تو میں نے نہیں کئے___ لیکن اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

محبت کرتا ہوں، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ

یعنی قیامت کے روز انسان کا انجام انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ جب صحابہ کرام y نے یہ جملہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے تو صحابہ کرام نے فرمایا کہ اس جملے سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں کسی اور بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ''الحمد للہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں میں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں گے۔ بہرحال! ''رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللہِ'' کہ وہ دو آدمی جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

اللہ کی یاد میں رونے والا عرش کے سائے میں

چوتھے شخص کے بارے میں فرمایا ''رَجُلٌ ذَکَرَ اللہَ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ'' ایک شخص ہے جو تنہائی اور خلوت میں ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آ گئی، اور اللہ تعالیٰ کی یاد کی وجہ سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، یا تو اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت بہت کرتا ہے، کیونکہ اگر کوئی محبوب جس سے انسان محبت کرتا ہو اور وہ محبوب آنکھوں کے سامنے نہ ہو اور دل چاہ رہا ہو کہ کسی طرح اس سے ملاقات ہو جائے، کسی طرح اس کی زیارت ہو جائے تو اس محبوب کی یاد

میں انسان روتا ہے، لہٰذا وہ شخص یا تو اس وجہ سے رو رہا ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی بہت محبت جاگزین ہے، اور اللہ تعالیٰ کی زیارت کا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا اشتیاق ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نام سن کر آنکھیں بھر آئیں ____ یا پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اللہ تعالیٰ کا رعب دل پر طاری ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے جلال کا تصور ذہن میں آرہا ہے اور دوسری طرف اپنی بداعمالیوں کا تصور آرہا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا، اس کی قدرت کا، اس کی حکمت کا، اس کی ربوبیت کا کوئی حق ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں۔ دونوں صورتیں اس میں داخل ہیں، تو ایسے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو

پانچواں شخص وہ ہے کہ ’’رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ‘‘ وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہو ____ یعنی اس کو نماز کا، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اتنا شوق ہے کہ ہر وقت اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے۔ ایک نماز پڑھ کر گھر گیا، اور دل میں یہ شوق ہے کہ اب دوسری نماز کے لئے پھر مسجد میں آؤنگا، اور دوبارہ آنے کا تصور دل میں لا رہا ہے اور اس تصور سے اس کو ایک کیف حاصل ہو رہا ہے۔ گویا کہ مسجد کی حاضری کو اس نے دوسرے تمام دنیاوی مشاغل پر مقدم رکھا ہوا ہے، ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ’’رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ‘‘

ایک لوہار کا واقعہ

چنانچہ بہت سے لوگوں کے حالات منقول ہیں کہ نماز با جماعت کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ جو نہی آذان سنی، تو اذان سننے کے بعد اب کوئی کام نہیں کرنا۔ بلکہ فوراً مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ شاید میں نے پہلے بھی آپ حضرات کو واقعہ سنایا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک a، جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، بڑے محدّث اور فقیہ تھے، اور پوری رات عبادت میں گزارا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد کسی شخص نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حضرت: آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک a نے فرمایا کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا، اور بڑے اچھے حال میں رکھا۔لیکن میرے پڑوس میں ایک لوہار رہتا تھا۔ اس لوھار کو جو مرتبہ نصیب ہوا، وہ مرتبہ مجھے نصیب نہ ہوا____ جب خواب دیکھنے والا شخص صبح کو بیدار ہوا تو بڑا حیران ہوا کہ وہ لوہار حضرت عبداللہ بن مبارک a سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جاکر معلوم کرنا چاہئے کہ وہ لوہار کیا عمل کیا کرتا تھا، چنانچہ وہ شخص پوچھتے پوچھتے اس لوہار کے گھر پہنچا، اور اس کی بیوی سے پوچھا کہ آپ کے شوہر کیا عمل کرتے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے شوہر کوئی زیادہ عبادت تو کرتے نہیں تھے۔ البتہ ہمارے گھر کے سامنے ایک بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک a رہا کرتے تھے، وہ رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے اور گھر کی چھت پر نماز کے لئے ایسے کھڑے ہوتے تھے۔ جیسے لکڑی کھڑی ہوتی ہے۔تو میرے

شوہر جب ان کو اس طرح نماز میں کھڑا ہوا دیکھتے تھے تو تمنا کرتے کہ کاش، میں بھی اپنے معاشی مشغلے سے فارغ ہوتا، تو میں بھی ان جیسی عبادت کرتا۔ لیکن میں چونکہ سارا دن لوہا پیٹتا ہوں اور تھک جاتا ہوں، اس لئے رات کو نماز پڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی، اس وجہ سے میں تہجد کی نماز سے محروم رہتا ہوں۔

اذان کے وقت کام بند

البتہ ایک کام میرے شوہر یہ کرتے تھے کہ سارا دن لوہا کوٹتے تھے لیکن اس دوران جب ان کے کان میں ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ'' ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاح'' کی آواز آجاتی تو اگر اس وقت ہتوڑا ضرب لگانے کے لئے اوپر اٹھایا ہوا ہوتا تو اس کو بھی گوارہ نہیں کرتے تھے کہ اس سے ایک ضرب اور لگادوں، بلکہ اسی حالت میں ہتوڑا ڈال کر نماز کے لئے مسجد کی طرف چل دیتے تھے ــــــ اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس لوہار پر رشک کر رہے ہیں کہ جو مرتبہ اس کو ملا۔ وہ مرتبہ ہمیں نہیں ملا ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نفلی عبادت کی اور کسی نیک کام کی توفیق اس وجہ سے نہیں ہو رہی ہے کہ آدمی اپنی معاش کی فکر میں لگا ہوا ہے اور اس کو وقت نہیں مل رہا ہے، لیکن اس کے دل میں ایک حسرت ہے کہ اگر میں فارغ ہوتا تو یہ کام کرتا تو اللہ تعالیٰ اس حسرت پر بھی اس عبادت کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں ــــــ اسی طرح نماز کے اہتمام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ــــــ بہرحال! چوتھا شخص وہ ہے جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والا عرش کے سائے میں

چھٹے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ شخص جس کو کسی ایسی عورت نے جو صاحب جمال بھی تھی اور اچھے خاندان کی عورت تھی، اس شخص کو گناہ کی دعوت دی، اور اس شخص نے اس کو جواب میں کہا کہ ''میں اللہ سے ڈرتا ہوں'' ____ یعنی حسن و جمال والی بڑے خاندان کی عورت اس کو گناہ کی دعوت دیتی ہے، اور یہ شخص اللہ کے خوف سے اس کو منع کر دیتا ہے تو ایسے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے ____ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس قسم کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

چھپا کر صدقہ کرنے والا

ساتواں وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرتا ہے اور اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا، یعنی بہت چھپکے سے، خاموشی سے، کسی کے علم میں لائے بغیر، خالص اللہ کی رضا خاطر، نام و نمود سے بے پروا ہو کر، دکھاوے کے بغیر اس طرح صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ بھی نہ چلے ____ بہر حال! یہ سات قسم کے افراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے ____ عرش کے سائے میں جگہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ حشر کے میدان کی جن سختیوں کا ذکر قرآن کریم نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے، انشاء اللہ ان حضرات کے عرش کے سائے میں آجانے کے

بعد ان تکالیف سے اور سختیوں سے محفوظ رہیں گے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰىہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ

(الانبیاء: ۱۰۳)

یعنی ایسے لوگوں کو جب کہ زبردست گھبراہٹ کا عالم ہوگا، ان کو کسی غم میں نہیں ڈالے گا، اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے۔

تم کونسی ٹولی میں شامل ہونا چاہتے ہو؟

یہ ساری باتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ بھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بھی ہمیں پہلے سے بتادیں کہ یہ وقت آنے والا ہے، اس وقت کے لئے تیاری کرلو اور فرمایا کہ "یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ؕ﴿۶﴾ " کہ اس دن لوگ مختلف گروہوں میں اور مختلف ٹولیوں میں بٹ کر میدانِ حشر کی طرف جائیں گے۔ ابھی سے تم یہ فیصلہ کرلو کہ تم کونسی ٹولی میں شامل ہونا چاہتے ہو؟ کیا ان لوگوں کی ٹولی میں جن کو منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا؟ یا ان لوگوں کی ٹولی میں جن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی ہوں گی؟ یا ان لوگوں کی ٹولی میں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ سواریاں بھی مہیا کرے گا، اور اپنے عرش کے سائے میں جگہ بھی عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے اپنی زندگی کو اس طرح گزارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس تیسری ٹولی میں شامل ہوجائیں۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ
الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ط هٰذَا
يَوْمُكُمُ الَّذِیْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۳

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نیک کام کا خیال آئے

فوراً کرلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝۷ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝۸ (سورۃ الزلزال، آیت ۷،۸)

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورہ زلزال کی آخری دو آیات ہیں، اور کئی جمعوں سے اس سورت کی تفسیر اور تشریح کا بیان چل رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں قیامت اور انسانوں کے دوبارہ زندہ ہوکر میدانِ حشر کی طرف جانے کا منظر بیان کیا ہے کہ جس وقت دوسرا صور پھونکا جائے گا، اور تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، اور پھر ان کو میدانِ حشر تک لے جایا جائے گا، جس کا بیان اس سورت کی پچھلی آیتوں میں موجود ہے۔

جامع اور منفرد آیات

پھر آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ (سورۃ الزلزال،: آیت ۷،۸)

یعنی جب میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو جس شخص نے ذرہ برابر بھی کوئی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس شخص نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا، ان آیتوں کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ:

هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْخَاصَّةُ

یعنی یہ ایک ایسی آیت ہے جو بہت جامع ہے، اور منفرد ہے۔ جامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اچھائی اور برائی دونوں کا انجام بتادیا گیا ہے، اور منفرد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی آیت ہے کہ اگر آدمی تنہا صرف اس آیت کو اپنے مدنظر رکھے تو اس کی زندگی کے سارے کام درست ہو جائیں۔

ہر وقت ذہنوں میں رکھنے والی آیات

آپ ذرا سوچئے کہ اگر یہ آیت اپنی زندگی میں ہر ہر قدم پر ہمارے سامنے رہے کہ اگر ہم نے ذرہ برابر نیکی کی تو ہم اس کو آگے دیکھنے والے ہیں۔ اگر ذرہ برابر برائی کی تو اس کو بھی آگے دیکھنے والے ہیں۔ اگر یہ بات ہمارے ذہنوں میں بیٹھ جائے، اور ہر وقت ہمیں مستحضر رہے، یاد رہے، دھیان رہے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت ''جامعۃ'' بھی ہے اور ''خاصّۃ'' بھی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اچھائی اور برائی دونوں کا انجام بتادیا گیا ہے۔

نامہء اعمال میں ہر عمل دیکھ لے گا

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی، وہ بھی انسان دیکھ لے گا، اب سوال یہ ہے کہ وہ کیسے دیکھے گا؟ اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ میں نے پچھلے بیان میں بھی عرض کئے تھے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کا نامہ اعمال اس کے سامنے آجائے گا، اور انسان نے جو کچھ اس

دنیا میں کیا ہے، اس کا کچا چٹھا انسان کے سامنے آجائے گا، لہٰذا ہم نے جو کچھ اچھائیاں کی ہوں گی، کوئی چھوٹی سے چھوٹی بھی نیکی کی ہوگی، ان کی فہرست انسان کے سامنے اس کے نامہء اعمال کی صورت میں سامنے آجائے گی ____ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اس انداز میں بیان فرمایا:

وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ؕ

(الاسراء: آیت ۱۳)

یعنی قیامت کے دن ہم ایک ایسی کتاب اس کے سامنے رکھ دیں گے جس کو بالکل کھلے عام وہ اس کو پڑھ سکے گا، اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑھ لو، اور تم خود ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو گے ____ کسی اور کو تمہارا حساب لینے کی ضرورت نہیں، نامہء اعمال تمہارے سامنے آچکا ہے، اور تم اس کو پڑھ کر اپنا حساب خود کر سکتے ہو کہ آیا تم انعام کے مستحق ہو، یا سزا کے مستحق ہو، آج خود تمہارا وجود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے، یہ اللہ تعالیٰ اس وقت لوگوں سے فرمائیں گے ____ بہرحال! ایک معنی تو یہ ہوئے کہ اگر کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی تو وہ اس کو اپنے نامہء اعمال میں دیکھ لے گا، اور اگر کسی نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی تو وہ اس کو بھی اپنے نامہء اعمال میں دیکھ لے گا ____

ہر عمل کا انجام دیکھ لے گا

دوسرے معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ اگر کسی شخص نے ذرہ برابر نیکی کی

ہوگی تو وہ اس کا انجام بھی دیکھ لے گا اور اگر ذرہ برابر برائی کی ہوگی تو اس کا انجام بھی دیکھ لے گا، اللہ تعالیٰ پوری طرح انصاف فرمائیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ (الانبیاء: آیت ۴۷)

یعنی ہم انصاف کرنے کے لئے قیامت کے دن ترازوئیں قائم کریں گے، اور کسی بھی انسان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، بلکہ سب اچھائیاں اور برائیاں سامنے آجائیں گی، اور اس کے بعد وہ انسان اپنا انجام دیکھ لے گا____ بہرحال! اس آیت کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

نیک عمل کو کر گزرو

جو بات عرض کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ ذرہ برابر نیکی بھی سامنے آجائے گی اور ذرہ برابر برائی بھی سامنے آجائے گی۔ اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ جب کبھی تمہیں کسی نیکی کا موقع مل جائے، چاہے وہ نیکی کتنی ہی چھوٹی نظر آرہی ہو اور دیکھنے میں بہت معمولی نظر آرہی ہو۔ مگر اس کو حقیر سمجھ کر اور معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں، بلکہ کر گزرو____ مثلاً ہم جارہے ہیں راستے میں ہمیں کانٹا پڑا ہوا نظر آیا، دل میں خیال آیا کہ اس کانٹے کو راستے سے ہٹا دوں، تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچادے۔ یہ خیال آیا، اور آپ نے اپنے پاؤں سے اس کانٹے کو راستے سے ہٹا دیا۔ اب بظاہر یہ ایک

چھوٹی سی اور معمولی سی نیکی ہے، لیکن جب تم آخرت میں پہنچو گے تو یہ نیکی بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ملے گی اور پھر تمہیں اس نیکی کا انعام اور ثواب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائیں گے، لہٰذا تم اس نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں۔

کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو

اسی لئے ایک حدیث میں رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا

یعنی نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، پتہ نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کونسی نیکی کس وقت قبول ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں تمہارا بیڑہ پار ہو جائے ___ اللہ جل شانہ کی ذات بڑی کریم اور بے نیاز ہے۔ اس کے یہاں عمل کی بڑائی اور اس کے سائز کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے یہاں اخلاص کو دیکھا جاتا ہے کہ کتنے اخلاص کے ساتھ اور کتنی للّٰہیت کے ساتھ کوئی شخص یہ نیک کام کر رہا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا وزن ملتا ہے، بعض اوقات اس ایک عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔

کتّے کو پانی پلانے پر بخشش ہوگئی

صحیح بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

کہ پچھلی امتوں میں ایک شخص جنگل میں سفر کر رہا تھا، اور اس کو پیاس لگی ہوئی تھی، اس کو ایک کنواں نظر آیا، اس شخص نے اس کنویں سے پانی نکال کر اپنی پیاس بجھائی ــــ پانی پینے کے بعد اس کو ایک پیاسا کتّا نظر آیا، جو پیاس کی شدت کی وجہ سے کنویں کے آس پاس پڑی ہوئی کیچڑ چاٹ رہا تھا، اس شخص کو ترس آیا اور اس نے سوچا کہ مجھے بھی شدید پیاس لگی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی عطا فرمایا، اور میری پیاس بجھ گئی، یہ کتّا بھی اللہ کی مخلوق ہے، اس کو بھی پیاس لگی ہوئی ہے۔ میں کسی طرح اس کو بھی پانی پلا دوں، تاکہ اس کی پیاس بجھ جائے، لیکن کنویں پر کوئی ڈول نہیں تھا، جس کے ذریعہ پانی نکال کر اس کو پلاتا ــــ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص نے چمڑے کا موزہ پہنا ہوا تھا، وہ موزا اس نے اتارا، اور کنویں میں اتر کر اس موزے میں پانی بھرا، اور کتّے کو پلا دیا، جس کے نتیجے میں کتّے کی پیاس بجھ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ:

فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی اتنی قدر فرمائی کہ اس عمل کی بدولت اس کی مغفرت فرما دی ــــ اب بظاہر دیکھنے میں یہ کوئی بہت بڑا عمل نظر نہیں آرہا تھا، صرف اتنا کیا کہ اس نے کتّے کو پانی پلا دیا ــــ اگر ویسے ہم دیکھیں کہ کوئی شخص بہت تہجد پڑھ رہا ہے، بہت زیادہ نفلیں پڑھ رہا ہے اور ساری رات عبادت کر رہا ہے، اس کا عمل بڑا نظر آتا ہے اور کتّے کو پانی پلا دینا بہت چھوٹا عمل نظر آتا ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عمل کی بدولت اس کی مغفرت فرما دی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ شخص اپنی عام زندگی میں بہت بدکاری میں مبتلا تھا۔ بعض روایتوں میں مرد کے بجائے عورت کا ذکر آیا ہے۔ واللہ علم ____

کونسی نیکی وہاں کام آجائے؟

اس کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بتلانا مقصود ہے کہ کسی بھی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں، کیونکہ کیا پتہ کہ کونسی نیکی کس وقت کس اخلاص کے ساتھ انجام پائے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کی بدولت تمہاری مغفرت فرمادے، اور تمہارا بیڑہ پار ہو جائے۔

یہ قانون نہیں، بلکہ رحمت کا معاملہ ہے

لیکن یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس قسم کے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہوتا ہے، ورنہ اصل قانون تو یہی ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرے گا، اس کو گناہ کی سزا ملے گی، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے ____ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی قانون کی پابند نہیں۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط (المائدۃ:۴۰)

لہٰذا یہ اس کی رحمت ہے کہ کسی چھوٹے سے عمل پر انسان کو نواز دے، اور اس کے گناہ معاف کردے ____ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ ساری زندگی گناہ کرتے رہو، بس ایک دن کتّے کو پانی پلا دوں گا، میری بھی جان بخشی ہو جائے گی ____ قانون تو وہی ہے کہ گناہ پر عذاب اور نیکی پر ثواب ____ لیکن بعض

اوقات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی نیک عمل ایسا مقبول ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا معاملہ فرماتے ہوئے انسان کو بخش دیتے ہیں۔

شیطان سے ہتھیار چھین لیا

لہٰذا جب نیکی کرنے کا خیال دل میں آیا ہے، چاہے وہ چھوٹی نیکی نظر آرہی ہو، لیکن اس نیکی کو معمولی سمجھ کر مت چھوڑو ـــــ اور اس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطان کا بہت بڑا ہتھیار چھین لیا ہے ـــــ اس لئے کہ شیطان انسان کو بعض اوقات اس طرح بہکاتا ہے کہ تیری ساری زندگی تو گناہوں میں گزری ہے۔ تو نے اللہ تعالیٰ کی معصیتوں کا ارتکاب کیا ہوا ہے۔ نافرمانیاں کی ہوئی ہیں۔ اب یہ چھوٹی سی نیکی جو تمہارے سامنے ہے۔ اگر یہ نیکی تم نے کر بھی لی تو یہ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑ لے گا؟ اور یہ اکیلی نیکی تمہیں کیسے بخشوا دیگی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نیکی کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

دو رکعتیں پڑھ لو

مثلاً فرض کرو کہ ایک آدمی بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، لیکن کسی موقع پر دل میں خیال آگیا کہ لاؤ دو رکعت پڑھ لوں، اب شیطان اس وقت بہکاتا ہے کہ ساری زندگی تو تم نے نماز پڑھی نہیں، اب دو رکعتیں پڑھ کر کیا مل جائے گا، جیسا کہ اقبال مرحوم نے کہا ہے کہ:

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

تو شیطان نے اس کو دھوکہ دیدیا کہ یہ دو رکعت پڑھ کر کیا لوگے؟ جہاں ساری نمازیں چھوڑیں، یہ بھی چھوڑ دو ــــــ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ ارے جب ایک نیکی کرنے کا خیال دل میں آ گیا ہے تو اس کو کر گزرو، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی کی بدولت تمہارے دل میں نماز کا داعیہ پیدا فرما دے اور آئندہ کے لئے تمہیں نمازی بنا دے، اور یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائیں۔

فوراً صدقہ خیرات کردو

یا مثلاً ایک آدمی رشوت خور ہے اور سود خور ہے، اب کوئی فقیر اور مسکین اس کو نظر آیا، اس کا دل چاہا کہ اس کو کچھ صدقہ دیدوں۔ اب اس موقع پر شیطان اس کو بہکائے گا کہ تیری ساری آمدنی تو حرام ہے، رشوت تو کھاتا ہے، سود تو لیتا ہے، اب اگر تو تھوڑا سا صدقہ کردے گا تو اس سے تجھے کیا حاصل ہوگا؟ کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس صدقہ کرنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی بھی نیکی کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو، کیا پتہ کہ یہ چھوٹی سی نیکی تمہاری زندگی بدل دے۔

سبق آموز واقعہ

صحیح بخاری کی حدیث میں ایک واقعہ مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے دل میں یہ ارادہ کیا کہ آج رات کو میں کچھ صدقہ کروں گا، جب رات آئی پیسے لے کر چلا، راستے میں ایک آدمی ملا، جو دیکھنے میں فقیر اور محتاج نظر آرہا تھا، اس کے ہاتھ میں صدقہ کے پیسے رکھ دیئے ___ صبح جب اٹھا تو اس کو پتہ چلا کہ رات کو میں نے جس شخص کو صدقہ کے پیسے دئے تھے، وہ فقیر اور محتاج نہیں تھا، بلکہ مالدار آدمی تھا ___ اس نے سوچا کہ خیر اللہ کا شکر ہے، میں نے تو اپنی طرف سے صدقہ کی نیت کی تھی۔ میں نے صدقہ کردیا۔ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا۔ رات کو پھر صدقہ کے پیسے لے کر نکلا، راستے میں ایک عورت فقیر اور مسکین معلوم ہورہی تھی، اس کو صدقہ دیدیا ___ صبح کو پتہ چلا کہ وہ عورت تو بازاری عورت ہے ___ العیاذ باللہ ___ زنا کاری میں مبتلا ہے ___ اس نے کہا کہ یا اللہ آپ کا شکر ہے، آپ نے مجھے صدقہ کرنے کی توفیق دیدی، آپ میری نیت جانتے ہیں ___ اور آج رات پھر صدقہ کروں گا ___ رات کے وقت پیسے لے کر نکلا، راستے میں ایک شخص غریب نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں پیسے دیدئے ___ صبح کے وقت پتہ چلا کہ وہ شخص تو چور ہے ___ اس نے کہا کہ یا اللہ، پہلی رات صدقہ کے پیسے لے کر نکلا تو وہ مالدار کے ہاتھ میں چلے گئے، دوسری رات میں نکلا تو وہ پیسے بدکار عورت کے ہاتھ میں چلے گئے، تیسری رات پیسے لے کر نکلا تو وہ چور کے ہاتھ میں چلے گئے ___

نیک نیتی کے صدقہ کا نتیجہ

لیکن اے اللہ! آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے صدقہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور شاید اس صدقہ کی برکت سے جو مالدار آدمی ہے، اس کو بھی صدقہ کرنے کی توفیق ہو جائے اور غریبوں کا خیال کرنے کی توفیق ہو جائے، اور شاید اس صدقہ کی برکت سے وہ بدکار عورت جس کو صدقہ کیا گیا تھا، وہ اپنی بدکاری سے توبہ کر لے، اور شاید وہ چور جس کو صدقہ کے پیسے دیئے گئے تھے، اس صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو چوری سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے ــــ گویا کہ اس شخص نے دعا کی کہ یا اللہ! اس صدقہ کی برکت سے ان لوگوں کے حالات میں تبدیلی پیدا فرما دیجئے ــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صدقہ کے نتیجے میں ایسا ہی کر دیا، چنانچہ وہ غنی اور مالدار شخص جو کسی کو گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو صدقہ کرنے کی توفیق دیدی ــــ جو بدکار عورت تھی، جب اس کے پاس حسن نیت کے ساتھ صدقہ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی دنیا بدل دی اور اس نے اپنی گناہ کی زندگی سے توبہ کر لی ــــ اور جو چور تھا، اس کی ساری زندگی چوری کرنے میں گزر رہی تھی، اس صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو چوری سے توبہ کی توفیق عطا فرما دی۔

صدقہ میں مقدار نہیں، اخلاص مطلوب ہے

بہرحال! صدقہ، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں

کم اور زیادہ کا حساب نہیں ہوتا، بلکہ اخلاص کا حساب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کروڑ پتی ہے، وہ اگر ایک لاکھ روپے صدقہ کرے اور دوسرا شخص جو ایک ہزار کا مالک ہے، وہ ایک روپیہ دے، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں برابر ہیں، کیونکہ اخلاص اور ایثار اور قربانی دونوں کی برابر ہے ــــــ بہرحال! اوپر والے واقعہ میں اس شخص کو صدقہ کرنے کا ثواب الگ ملا۔ اور ان لوگوں کی اصلاح الگ ہوگئی ــــــ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ جو عمل دیکھنے میں معمولی نظر آرہا ہے وہ کس وقت کیا نتائج پیدا کرے گا، اور خود اس عمل کرنے والے کو کیا فائدہ پہنچے گا، اور جس کے ساتھ وہ عمل کیا جارہا ہے، اس کی زندگی میں کیا انقلاب لائے گا۔

قیامت کے روز نیکی سامنے آجائے گی

لہٰذا جب کبھی کسی نیک کام کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس نیک کام کو ضرور کر گزرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادیا کہ اگر ذرہ برابر بھی کسی نے کوئی نیکی کی ہوگی تو وہ اس کو قیامت کے روز ضرور دیکھے گا، اور اس سے اگلی آیت میں یہ جو فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی تو وہ بھی دیکھ لے گا، اس میں تو ایک استثناء ہے۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے عرض کروں گا، لیکن بھلائی اور نیکی کے اندر کوئی استثناء نہیں، بلکہ جو بھلائی اور نیکی اخلاص کے ساتھ اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے کی ہوگی، وہ ضرور نامۂ اعمال میں نظر آئے گی، اور ضرور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب مرتب

ہوگا ___ لہٰذا اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں نیکی کے خیالات ڈالتے رہتے ہیں۔

نیکی کا خیال آئے تو کر گزرو

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝۸ (سورۃ الشمس، آیت ۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں گناہ کی خواہش بھی پیدا کی ہے اور تقویٰ کی خواہش بھی پیدا کی ہے، اور یہ دونوں خواہشیں وقتاً فوقتاً دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، لیکن ہم لوگ غفلت کے عالم میں گناہوں کی خواہشات کو غالب کر دیتے ہیں اور تقویٰ کی خواہشات کو مغلوب کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں تقویٰ کی خواہشات کم آنے لگتی ہیں، اور گناہوں کی خواہشات زیادہ آنے لگتی ہیں۔ لیکن آتی ضرور ہیں، کیسا ہی گیا گزرا مسلمان ہو، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک چنگاری اچھائی کی طرف اور بھلائی کی طرف موجود ہوتی ہے، اور وہ چنگاری کبھی سلگ جاتی ہے اور کبھی اس کا ایک تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن شیطان اس تقاضے کو اس طرح دبا دیتا ہے کہ تیری ساری زندگی تو گناہوں میں گزر رہی ہے۔ یہ نیکی کرکے کیا تیر مار لے گا، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شیطان کے اس ہتھیار کو توڑا ہے کہ نہیں، اگرچہ وہ نیکی تمہیں معمولی نظر آرہی ہے، پھر بھی اس کو کر گزرو ___

ایک شاعر کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ چنگاری ودیعت فرمائی ہے، اردو زبان کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں۔ میں ان کا نام نہیں لیتا۔ دنیا سے جاچکے ہیں وہ شاعر اپنی آزاد زندگی میں مشہور تھے، پینے پلانے کا بھی سلسلہ تھا، نماز روزے کا دھیان نہیں تھا، کوئی دین کی طرف رغبت نہیں تھی ___ کسی مجلس میں کچھ آزاد لوگوں کا مجمع تھا، اور آپس میں گپ شپ ہو رہی تھی، یہ شاعر بھی اس مجلس میں شراب پی کر بیٹھا ہوا تھا ___ چونکہ یہ بڑا مشہور شاعر تھا، اور ساری دنیا میں اس کا ڈنکہ بج رہا تھا، اس لئے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس مجلس میں مختلف لوگوں نے اس سے مختلف لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ فلاں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ فلاں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ شاعر ہر ایک کے بارے میں کوئی جملہ چست کر دیتا اور اس کی تحقیر اور تذلیل کرتا ___ اسی دوران کسی کمبخت نے اچانک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے لیا، کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ایک دم سے یہ شخص چونک گیا اور اس وقت اس کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا، وہ پیالہ اس شخص کے منہ پر مارا اور کہا کہ بدبخت! کیا تو مجھ سے میری زندگی کا آخری سہارا بھی چھیننا چاہتا ہے؟ یعنی میرے پاس تو کوئی عمل تو ہے نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی چنگاری میرے دل میں ہے، اور تو اس گپ شپ کی گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لاکر تو مجھ سے وہ

سہارا بھی چھیننا چاہتا ہے یہ کہہ کر وہ شاعر اس مجلس سے اٹھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی چنگاری

اب دیکھو کہ اس کی ساری زندگی کس حالت میں گزر رہی ہے، لیکن چونکہ صاحب ایمان تھا، اور صاحب ایمان ہونے کی وجہ سے ایک چنگاری دل کے اندر موجود تھی اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی چنگاری تھی، کچھ پتہ نہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کی مغفرت فرما دے، اسی کی بناء پر اس کی بخشش فرما دے، بہرحال! نہ معلوم کس وقت کیا کام، کیا بات، کیا کلمہ، کس جذبہ سے، کس اخلاص سے انسان سے سرزد ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بیڑہ پار ہو جائے، لہٰذا کسی بھی نیک عمل کو معمولی سمجھ کر کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ العالمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

گناہوں کو چھوٹا مت سمجھو

(سورۃ الزلزال:۵)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَ مِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡماً کَثِیۡراً۔

اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ۝۷ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝۸

(سورۃ الزلزال: آیت ۷،۸)

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورہ الزلزال کی آخری دو آیات ہیں، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، اور اس کا بیان پچھلے جمعہ کو بھی ہوا تھا، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو اگر اس نے ذرہ برابر بھی کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا، اور اگر ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی تو وہ اس کو بھی دیکھ لے گا ____ اس میں سے پہلے جملے کا بیان گزشتہ جمعہ میں کیا گیا تھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کوئی معمولی سے معمولی نیکی بھی ہو تو اس کو معمولی سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ نیکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کا بیڑہ پار کر دے۔

برائی، برائی ہے، چھوٹی ہو یا بڑی

اس آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ''اگر کسی شخص نے ذرہ برابر بھی کوئی برائی کی ہوگی تو وہ اس کو بھی دیکھ لے گا'' ____ اس کے ذریعہ یہ سبق دیا گیا ہے کہ برائی چاہے چھوٹی نظر آرہی ہو، یا بڑی نظر آرہی ہو، وہ برائی برائی ہے، اور قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برائی یعنی گناہ کا کام کریگا تو اس کا نتیجہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دیکھ لے گا، چاہے وہ دیکھنے میں کتنی چھوٹی نظر آرہی ہو ____ لہٰذا جس طرح کسی نیکی کو معمولی سمجھ کو چھوڑنا نہیں چاہئے، اسی طرح کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اختیار

نہیں کرنا چاہئے۔

شیطان کا دھوکہ

یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ وہ انسان کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ چھوٹا سا گناہ ہے، معمولی سا گناہ ہے۔ لہٰذا اس کو کر گزرو، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ''مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' یعنی ذرہ برابر بھی کوئی برائی کی ہوگی تو وہ اس کو بھی دیکھ لے گا، آج کل لوگ بعض اوقات یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے، یا کبیرہ ہے؟ صغیرہ چھوٹے گناہ کو کہتے ہیں، اور کبیرہ بڑے گناہ کو کہتے ہیں اور بعض اوقات جب کسی شخص سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام شرعاً ناجائز ہے، تو اس وقت لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کام ناجائز ہے، یا حرام ہے؟ ____ اس تحقیق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ چھوٹا گناہ ہے تو چلو اتنی پرواہ کی بات نہیں، یا اگر کوئی کام ناجائز ہے، حرام نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ کوئی پرواہ کی بات نہیں، اسے کر گزرو ____ لیکن یاد رکھئے: یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے، گناہ کا مطلب ہے ''نافرمانی'' اللہ تعالیٰ نے جس کام سے روکا ہے۔ اس سے آدمی نہ رکے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

گناہ اور نافرمانی کی مثال

گناہ اور نافرمانی کی مثال حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بیان فرمائی کہ جیسے آگ کا ''انگارہ'' ____ آگ کا انگارہ

اگر بڑا ہو، یا وہ چھوٹی سی چنگاری ہو، کیا کوئی یہ سوچے گا کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے، لاؤ اس کو اپنی جیب میں رکھ لوں، لاؤ اس کو میں اپنی الماری کے اندر رکھ لوں۔ کوئی بھی عقل مند آدمی یہ کام نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اگرچہ چھوٹی سی چنگاری ہے، لیکن یہ پورے گھر کو آگ لگا سکتی ہے ___ اسی طرح گناہ چاہے وہ چھوٹا ہو، یا بڑا ہو، وہ چنگاری ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مشتمل ہے، لہٰذا اس تحقیق میں پڑنا اور اس نیت سے کسی گناہ کو کرلینا کہ یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے، چلو کر گزرو، یہ بہت بڑی خطرناک بات ہے۔

صغیرہ کو معمولی سمجھنا اسکو کبیرہ بنا دیتا ہے

اس سلسلے میں یہ بات سمجھ لیں کہ جن گناہوں کو ''صغیرہ'' گناہ کہا جاتا ہے وہ اگرچہ چھوٹے گناہ ہوتے ہیں، لیکن اگر آدمی اس صغیرہ کا ارتکاب اس لئے کرے کہ بھائی یہ چھوٹا سا گناہ ہے اور اس کو معمولی سمجھ کر بے پروائی کے عالم میں کرے تو پھر وہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے ___ کیونکہ صغیرہ گناہ اس وقت تک صغیرہ ہے جب تک آدمی اس گناہ کو نادانی میں کر گزرے، یا بے وقوفی میں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان نہ ہونے کی وجہ سے کر گزرے تو وہ صغیرہ ہے، لیکن اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ چونکہ یہ صغیرہ گناہ ہے، لہٰذا اس کو کرلوں، اور اس نافرمانی کی اہمیت ہی کا دل میں احساس نہیں ہے، تو پھر وہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔

''اصرار'' سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے

دوسری بات جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص

صغیرہ گناہوں پر اصرار کرے اور ''اصرار'' کے معنی یہ ہیں کہ بار بار وہی گناہ کئے جا رہا ہے، اور اس کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے تو اس اصرار کے نتیجے میں بھی صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے ____ جس گناہ کو ''صغیرہ'' کہا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی وقت انسان نادانی میں اپنی سستی کی وجہ سے وہ گناہ کر گزرا تو وہ صغیرہ ہے۔ اور صغیرہ کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء: آیت ۳۱)

یعنی اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو گے تو وہ چھوٹے چھوٹے گناہ جن کو تم نادانی میں کر گزرتے ہو، ان کا ہم کفارہ کرتے رہیں گے، وہ اس طرح کہ جب تم نے وضو کیا تو تمہارے گناہ جھڑ گئے، جب نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف چلے تو ہر قدم پر گناہ جھڑ گئے، جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تو گناہ معاف ہو گئے، یہ صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ اس طرح معاف فرماتے رہتے ہیں ____ لیکن یہ اس وقت تک ہے، جب تک آپ نے وہ صغیرہ گناہ نادانی میں کر لیا ہو۔ لیکن اگر کوئی آدمی صغیرہ گناہ کو معمولی سمجھ کر کر گزرا، جس کو فقہاء کرام ''تَهَاوُناً کرنا'' کہتے ہیں۔ یعنی یہ سوچ کر وہ گناہ کر لیا کہ چلو کر لو، یہ کونسی بڑی بات ہے ____ اس نیت سے جب آدمی صغیرہ گناہ کرے گا تو پھر وہ گناہ صغیرہ نہیں رہے گا، بلکہ کبیرہ بن جائے گا، اس طرح اگر وہ اس گناہ کو بار بار کرتا رہے گا، اور اس سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا، تب بھی وہ کبیرہ بن جائے گا۔ لہٰذا

اس نیت سے اس تحقیق میں پڑنا کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے، یا کبیرہ ہے کہ اگر وہ صغیرہ ہے تو اس کو کر گزریں گے، یہ بڑی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔

حرام اور ناجائز میں عملاً کوئی فرق نہیں

دوسری بات یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ جب کسی عمل کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ عمل ناجائز ہے۔ تو بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ حرام ہے؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''حرام'' اور ''ناجائز'' میں فرق کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ عمل ناجائز ہے تو چلو کرلو، اتنی بڑی بات نہیں، لیکن اگر حرام کا لفظ کہہ دیا تو ذرا اہمیت پیدا ہو جاتی ہے ___ خوب سمجھ لیجئے کہ عمل کے اعتبار سے ناجائز اور حرام میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں برابر نہیں، لہٰذا دونوں سے بچنا واجب ہے، دونوں کا نتیجہ گناہ ہے، اور دونوں عذاب جہنم کے مستحق ہیں۔ لہٰذا عمل کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہیں۔

حرام کا منکر کافر ہے

البتہ دونوں میں اس اعتبار سے فرق ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص حرام چیز کی حرمت کا انکار کر دے اور اس کے بارے میں یہ کہہ دے کہ میں نہیں مانتا کہ یہ حرام ہے، تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، ___ مثلاً کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ''زنا'' حرام نہیں ہے ___ العیاذ باللہ ___ تو یہ کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا، اور اسلام ہی سے نکل جائے گا ___ یا مثلاً کوئی شخص یہ کہہ دے کہ شراب پینا حرام نہیں ہے، تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے

گا ـــــ اس لئے کہ ''حرام'' ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کی حرمت قطعی ہے، اور قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے، تواتر سے ثابت ہے، اس کا اگر انسان انکار کرتا ہے تو آدمی کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

''ناجائز'' کا منکر کافر نہیں

جن چیزوں کو ''ناجائز'' کہا جاتا ہے، یہ وہ ہیں جو احادیث طیبہ سے ثابت ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے کرنے سے منع فرمایا ہے، اور وہ قطعیت کے درجے تک نہیں پہنچی، ایسی چیزوں کو ''ناجائز'' کہا جاتا ہے، ایسی چیزوں کے انکار سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن اس کے کرنے سے آدمی اتنا ہی گناہ گار ہوتا ہے جتنا حرام کے کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ لہٰذا جو لوگ اس تحقیق میں پڑتے ہیں کہ یہ عمل حرام ہے یا ناجائز ہے؟ یہ تحقیق فضول ہے ـــــ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرما دی تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس سے ہر حال میں اجتناب کرنے کا اہتمام کرے ـــــ قرآن کریم کے یہ الفاظ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾'' جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی برائی کرلے گا تو وہ آخرت میں اس کا انجام دیکھ لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب معاملہ

البتہ جہاں انصاف کا یہ معاملہ ہے کہ نیکی کا ذرہ بھی وہاں پر نظر آجائے

گا، اور برائی کا ذرہ بھی وہاں پر نظر آجائے گا، وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی ایک عجیب معاملہ ہوگا ــــــ وہ رحمت کا معاملہ یہ ہوگا کہ اگرچہ نامۂ اعمال میں ساری نیکیاں بھی آجائیں گی، اور ساری برائیاں بھی آجائیں گی، لیکن اگر کسی بندے نے جو کوئی گناہ کیا ہوگا، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو، اور پھر بعد میں سچے دل سے توبہ کرلی ہو، کہ یا اللہ، مجھ سے غلطی ہوگئی، اور فلاں گناہ سرزد ہوگیا، اے اللہ! اپنے فضل سے مجھے معاف فرما دیجئے اور آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا، اس عمل کا نام ہے ''توبہ'' لہٰذا جب کسی بندے نے کسی گناہ سے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں رحمت کا یہ معاملہ ہوگا کہ وہ گناہ کا عمل اس کے نامۂ اعمال سے ہی مٹا دیا جائے گا، یہ نہیں ہوگا کہ وہ گناہ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہوگا اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہوگا کہ ہم نے اس گناہ کو معاف کردیا ــــــ ایسا نہیں ہوگا ــــــ بلکہ نامۂ اعمال ہی سے اس گناہ کو مٹا دیا جائے گا۔

نامۂ اعمال میں ''ڈیبٹ کریڈٹ'' نہیں ہے

دیکھئے! بنکوں میں اکاؤنٹ کے اندر ''ڈیبٹ'' اور ''کریڈٹ'' کا طریقہ کار ہوتا ہے، ایک طرف ''کریڈٹ'' کے خانے میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اتنی رقم آئی، اور جب کوئی رقم نکالی جاتی ہے تو اس کو ''ڈیبٹ'' کے خانے میں لکھا جاتا ہے کہ اتنی رقم اس اکاؤنٹ سے نکالی گئی ــــــ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت تو یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کرلی، تو پھر وہ گناہ اس کے نامۂ اعمال ہی سے مٹا دیا گیا،

لہٰذا جب نامۂ اعمال سامنے آئے گا تو وہ گناہ اس کے نامۂ اعمال سے مٹا ہوا ہوگا، تاکہ وہاں میدان حشر میں شرمندگی بھی نہ ہو، اللہ تعالیٰ اپنے توبہ کرنے والے بندے سے یہ نہیں چاہتے کہ اس کو بعد میں جا کر کسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے، بلکہ اس کو نامۂ اعمال ہی سے مٹا دیتے ہیں، لہٰذا نامۂ اعمال میں صرف وہ گناہ باقی رہ جاتے ہیں جن سے توبہ نہیں کی گئی۔

توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ آسان راستہ رکھا ہوا ہے کہ انسان جب چاہے، اپنے سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کرلے، ایک ستر سال کا بوڑھا جس کی ساری زندگی گناہوں میں گزری ہو، اگر ایک مرتبہ صدق دل سے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کے ساتھ یہ کہہ دے کہ "أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ" اے اللہ، میں اپنی پچھلی ساری زندگی کے گناہوں سے معافی چاہتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرتا ہوں، تو اس کی سابقہ زندگی کے سارے دلدّر دھل جاتے ہیں، اور اس کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں ___ حدیث شریف میں آتا ہے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ تھا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ اس طرح معاف فرما دیتے ہیں، بہرحال! اللہ تعالیٰ نے یہ آسان راستہ رکھا ہے جو ہر انسان کے پاس ہر وقت موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں حاضر ہوکر صدقِ دل سے توبہ کرلے، اور اپنے پچھلے گناہوں سے معافی مانگ لے۔

’’ولی اللہ‘‘ بننا بہت آسان ہے

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ’’ولی اللہ‘‘ بننا بڑا مشکل کام ہے۔ فرمایا کہ کچھ بھی مشکل نہیں، ایک منٹ میں آدمی ’’ولی اللہ‘‘ بن سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ بیٹھ کر صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کے ساتھ عاجزی کے ساتھ اپنے ساری زندگی کے گناہوں سے معافی مانگ لے، اور آئندہ کے لئے عزم کرلے کہ آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا، جس لمحہ میں وہ یہ کام کرے گا۔ اس وقت وہ کامل ’’ولی اللہ‘‘ ہے۔ اس کے بعد وہ گناہوں سے اپنی حفاظت کرے، بہرحال! یہ آسان راستہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے۔

شیطان کے بہکاوے

البتہ بعض اوقات شیطان غلط کام کے لئے اس آسان راستے سے بہکا دیتا ہے، وہ اس طرح کہ شیطان انسان سے کہتا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہوا ہے، جب بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کی جائے گی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، لہٰذا شیطان اور نفس اس طرح بہکاتا ہے کہ گناہ کی تھوڑی

دیر کی لذت حاصل کرلو، اور بعد میں توبہ کرلینا اور جب توبہ کرلو گے تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے ــــ یہ بھی شیطان اور نفس کا بہت دھوکہ ہے، اس لئے کہ اس وقت تو شیطان یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی گناہ کرلو، بعد میں توبہ کرلینا، لیکن اس کی گارنٹی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد زندہ رہے گا یا نہیں؟ اور اگر زندہ بھی رہا تو توبہ کی توفیق بھی ہوگی یا نہیں؟ ــــ بعض اوقات گناہ کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ گناہ کے نتیجے میں انسان کی عقل ماری جاتی ہے، اور مت الٹی ہو جاتی ہے، اور پھر اس کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی ــــ لہٰذا توبہ کے بھروسے پر گناہ کا ارتکاب کرلینا یہ بہت نادانی ہے۔

بچھو کے کاٹے کا تریاق

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی کے پاس سانپ کے کاٹنے کا تریاق موجود ہو، تو اس تریاق کے بھروسے پر وہ شخص سانپ سے ڈنگ لگوالے، کہ بھائی میرے پاس تریاق موجود ہے، اگر سانپ کاٹ بھی لے تو کوئی مضائقہ نہیں ــــ میں اس تریاق کے ذریعہ سے اس کے اثر کو زائل کردوں گا ــــ کوئی عقل مند ایسا کرے گا؟ ہرگز نہیں کرے گا۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر خود اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو

بچھو کے کاٹے کا ایک تریاق کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ دیوبند میں جس کسی کو بچھو کاٹتا، وہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا، والد صاحب اس کے اوپر کچھ پڑھ کر دم کرتے تو اس کا اثر زائل ہو جاتا تھا، اور تکلیف دور ہو جاتی تھی ____ دیوبند میں بجلی تو تھی نہیں، لالٹین کے ذریعہ گزارہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ والد صاحب نے میری والدہ سے کوئی چیز کوٹھری سے منگوائی، وہاں اندھیرا تھا، لالٹین کی روشنی میں والد صاحب کچھ کام کر رہے تھے، میری والدہ صاحبہ نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ مجھے اندھیرے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، کیونکہ یہاں بچھو بہت ہوتے ہیں، کہیں کوئی بچھو نہ کاٹ لے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میرے منہ سے غلطی سے یہ نکل گیا کہ ارے بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا کرے گا، مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ تریاق دے رکھا ہے، اس کے ذریعہ اس کا اثر زائل ہو جائے گا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ والدہ صاحبہ نے جیسے ہی اس کوٹھری کے اندر قدم رکھا تو بچھو نے ان کو کاٹ لیا ____ اب جو عمل میں بچھو کے کاٹنے کا کیا کرتا تھا، اور اس عمل کو سیکڑوں انسانوں پر آزمایا تھا، آج بار بار اس عمل کو آزما رہا ہوں، مگر اس کے اثر پر کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جا کر اس کا علاج کرانا پڑا ____

اس واقعہ سے کیا سبق ملے؟

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس واقعہ سے بے شمار سبق ملے، ایک سبق تو یہ ملا کہ ''تریاق'' کے بھروسے پر زہر کھالینا، اور توبہ کے

بھروسے پر گناہ کرلینا کتنی نادانی کی بات ہے ــــــ دوسرا سبق یہ ملا کہ کوئی دوا، کوئی دارو، کوئی عمل، کوئی تعویذ، کوئی گنڈا، کوئی جھاڑ، کوئی پھونک ان میں سے کوئی چیز اپنی ذات میں کوئی اثر نہیں رکھتی۔ جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے اندر تاثیر پیدا نہ ہو ــــــ ایک دوا ایک آدمی کے لئے کارآمد بن جائے گی، اور وہی دوا دوسرے آدمی کے لئے مہلک بن جائے گی ــــــ دوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلتی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن ان اسباب کا ''مسبِّب'' وہی ہے، اس کی تاثیر کے بغیر کوئی دوا کارآمد نہیں ہوسکتی، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسے کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں ہے۔ اس واقعہ سے یہ سارے سبق ملے۔

توبہ کے بھروسے پر گناہ کرنا حماقت ہے

خلاصہ یہ کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب کرنا بہت بڑی حماقت ہے، اللہ بچائے، گناہ کے بعد پتہ نہیں کہ توبہ کرنے کا موقع بھی ملتا ہے یا نہیں؟ اور اگر موقع مل بھی جائے تو پتہ نہیں کہ توبہ کی توفیق ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض اوقات گناہ کی نحوست انسان کو ایک گناہ سے دوسرے گناہ کی طرف لیجاتی ہے، اور پھر دوسرے سے تیسرے گناہ کی طرف لے جاتی ہے، اس لئے کہ گناہ کی خاصیت ہی یہ ہے ــــــ اس لئے توبہ کے بھروسے پر نہیں رہنا چاہئے، بلکہ حتی الامکان ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اللہ

تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے حفاظت ہو جائے۔

اپنے نفس پر زبردستی کرو

وہ حفاظت اس طرح ہوگی جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ انسان اپنے نفس پر زبردستی کرے، خواہش ہو رہی ہے، اور دل چاہ رہا ہے، لیکن جب تک زبردستی کر کے اپنے آپ کو گناہ سے نہیں روکو گے، اس وقت تک یہ نفس اور شیطان تم پر غالب آتا چلا جائے گا ـــــ لہٰذا واحد راستہ یہی ہے کہ زبردستی کر کے اپنے آپ کو گناہ سے روکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

زندگی کے تمام کاموں کو عبادت بنادو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ (سورۃ الزلزال، آیات ۷۔۸)

تمہید

بزرگانِ محترم اور و برادرانِ عزیز: سورۃ الزلزال کی تشریح کا سلسلہ کئی

جمعوں سے چل رہا ہے، یہ اس سورۃ کی آخری دو آیتیں ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان آیتوں کا بیان بھی پچھلے دو جمعوں سے جاری ہے ____ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ان آیات میں جو عظیم حقیقت بیان فرمائی ہے، اس کی تفصیل بیان کرنے میں انسان جائے تو مہینے بھی کافی نہ ہوں، ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص زرہ برابر بھی کوئی نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھے گا، اور جو شخص ذرہ برابر کوئی برائی کرے گا، وہ اس کو بھی دیکھے گا ____

کسی نیکی اور گناہ کو چھوٹا مت سمجھو

اس کے ذریعہ یہ بتلانا منظور ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کے سامنے بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جن میں اگر وہ تھوڑی سی توجہ کے ساتھ کوئی چھوٹی سی بھی نیکی کرلے تو اس کے نامہء اعمال میں نیکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسے مواقع آتے ہیں کہ کوئی جھوٹی سی برائی اس نے کرلی، اور اس کی طرف اس نے دھیان بھی نہیں دیا، لیکن اس برائی کے نتیجے میں آخرت میں اس کو بڑے عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ برائی اس کو دوسری برائی کی طرف کھینچ کرلے گئی ____ لہٰذا نہ کسی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا چاہئے اور نہ کسی برائی کو معمولی سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے ____

تلاوت میں ہر حرف پر دس نیکیاں

آج اس دنیا میں رہتے ہوئے ہمیں آپ کو نیکیوں کی قدر و قیمت کا اندازہ

نہیں ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے اعمال کے بارے میں فرمایا کہ فلاں عمل پر اتنی نیکیاں ملیں گی، فلاں عمل پر اتنی نیکیاں ملیں گی، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں فرمایا کہ جب بندہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو ہر ہر حروف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِیْمٌ حَرْفٌ

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، اور میم ایک حرف ہے، لہٰذا کسی شخص نے صرف الٓمٓ کی تلاوت کر لی تو اس کے نامہ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جائے گا ــــ دس نیکیاں الف پر، دس نیکیاں لام پر، اور دس نیکیاں میم پر ــــ اب اگر آدمی قرآن کریم کا صرف ایک رکوع تلاوت کر لے تو آپ اندازہ کریں کہ کتنی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں بڑھ جائیں گی۔

آج نیکیوں کی قدر نہیں

لیکن یہاں اس دنیا میں رہتے ہوئے نیکیوں کی تعداد میں اضافے کی ہم لوگوں کو فکر نہیں، کیونکہ یہاں دل و دماغ کے اوپر روپیہ پیسہ چھایا ہوا ہے، اگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر حرف پر دس روپے ملیں گے تو شاید اس کی کوئی قدر و قیمت ہوتی، اور ہر ایک اس فکر میں ہوتا کہ روپے حاصل کرنے کا یہ بہت آسان راستہ ہے، الٓمٓ

پڑھو اور تیس روپے حاصل کرلو ___ لیکن چونکہ نیکیوں کی قدر نہیں۔ اس وجہ سے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرنے کا اہتمام نہیں، قدر اس دن معلوم ہوگی جس دن یہ آنکھیں بند ہو جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں پیشی ہوگی، اور حساب و کتاب ہوگا، اور نیکیاں اور برائیاں ایک ایک پلے میں رکھی جائیں گی، اور اس کے نتیجے میں دیکھا جائے گا کہ کس کا پلّہ بھاری ہے۔

ایک نیکی کی قیمت

وہاں ایک ایک نیکی کی یہ قیمت ہوگی کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص ہوگا جب اس کا حساب کتاب ہوگا تو اس کے نامہ ٔاعمال میں صرف ایک نیکی کی کمی رہ جائے گی، یعنی اگر ایک نیکی اور ہوتی تو وہ جہنم کے بجائے جنت کا مستحق ہو جاتا، لیکن چونکہ ایک نیکی کی کمی تھی، اس لئے وہ جہنم کا مستحق ہوگیا ___ وہ شخص لوگوں سے مانگتا پھرے گا کہ مجھے ایک نیکی ادھار دیدو، تاکہ میں اپنا حساب پورا کرلوں ___ اور جہنم کے عذاب سے بچ جاؤں ___ لیکن کوئی اس کو ایک نیکی دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوگا۔ لمبی حدیث ہے، جس میں لمبا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

یہ مال آخرت کے بنک میں ٹرانسفر کردو

بہر حال! وہاں پتہ چلے گا کہ نیکیوں کی کیا قدر و قیمت ہے، وہاں کا سکّہ اور وہاں کی کرنسی نہ روپیہ، پیسہ ہے، نہ ڈالر ہے، نہ پونڈ ہے، بلکہ وہاں کی کرنسی تو

نیکیاں ہیں، جتنی نیکیاں لے کر وہاں جاؤ گے، اتنی ہی وہاں پر تمہارے لئے آسانی ہوگی۔ اسی لئے ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کو جو مال حاصل ہوتا ہے، اس میں سے کچھ مال تو وہ ہوتا ہے جس کو وہ کھا کر ختم کر دیتا ہے، اور کچھ مال وہ ہوتا ہے جس کو وہ پہن کر ختم کر دیتا ہے، ایسے مال کا معاملہ تو برابر سرابر ہو گیا۔ یہیں کمایا، یہیں ختم کر دیا ـــــ اور کچھ مال وہ ہوتا ہے جس کو صدقہ کے ذریعہ یا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے ذریعہ اس نے آگے بھیج دیا ـــــ آگے بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ یہاں اپنے ہاتھوں سے کسی نیک مقصد کے اندر خرچ کیا، مثلاً کسی غریب کی مدد کر دی۔ کسی مسکین کو کھانا کھلا دیا، کسی صدقہ جاریہ میں پیسے خرچ کر دیئے۔ مثلاً کسی مسجد کی تعمیر میں، یا مسجد کے اخراجات میں خرچ کر دیئے، یا کہیں لوگوں کے لئے پانی کا کنواں کھدوا دیا، یا کہیں ہسپتال میں مریضوں کی امداد کے لئے پیسے خرچ کر دیئے، تو گویا کہ وہ پیسے آپ نے یہاں سے آخرت کے لئے ٹرانسفر کر دیئے۔ تو ایک ایک روپیہ، ایک ایک پیسہ جو یہاں خرچ کرے گا، وہاں پر آخرت میں وہ نیکیوں کی شکل میں محفوظ ہو گیا ـــــ بہر حال! وہ نیکیاں آخرت میں کام آئیں گی ـــــ

سارے کام عبادت بنالو

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تمہیں ذرہ برابر بھی نیکی کرنے کا موقع کہیں مل جائے تو اس کو نہ چھوڑو ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو ایسا

دین عطا فرمایا ہے کہ جس میں ہماری زندگی کی ساری ضروریات، اور زندگی کے سارے کام اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے کئے جائیں تو سب نیکیوں میں شامل ہیں ____ مثلاً آدمی کا روزی کمانا، ملازمت کرنا، تجارت کرنا، کھیتی باڑی کرنا، مزدوری کرنا، یہ سارے کام ہر انسان کرتا ہی ہے، لیکن اگر یہ کام اس نیت سے کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر میرے نفس کا حق رکھا ہے، میری بیوی بچوں کا میرے اوپر حق رکھا ہے، اور میں اپنے نفس کے حق کی ادائیگی کی خاطر، اور بیوی، بچوں کے حق کی ادائیگی کی خاطر، اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر میں اپنی روزی کما رہا ہوں، اور حلال طریقے سے کما رہا ہوں تو یہ سارا عمل عبادت بن جائے گا، اور سارا عمل نیکی بن جائے گا۔

صرف زاویہ نگاہ بدلنے کی ضرورت ہے

صرف زاویہ نگاہ کے بدلنے کی بات ہے، وہی تجارت ہے، وہی مزدوری ہے، وہی کھیتی باڑی ہے، لیکن اگر ایک شخص ان کاموں کو محض غفلت کے عالم میں کیا جا رہا ہے اور اس کے ذریعہ صرف اپنی پیٹ پوجا مقصد نہیں تو پھر یہ ایک مباح کام ہے، اس پر نہ عذاب ہے، اور نہ ثواب ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان کاموں کو اس نیت سے کرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے ذمے یہ حقوق رکھے ہیں اور اس نیت سے کرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری بیوی بچوں کے حقوق میرے ذمے رکھے ہیں، اور حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک

لقمہ جس کو اٹھا کر تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو، وہ بھی صدقہ ہے، یعنی اس پر بھی ایسا ہی ثواب ہے جیسے صدقہ کرنے کا ثواب ہے۔

بہترین دینار جو بیوی بچوں پر خرچ ہو

بلکہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جس کو تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے پر خرچ کرو۔ ایک دینار وہ ہے جو تم کسی غریب اور مسکین کی مدد کرنے کے لئے خرچ کرو، اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے اور ان کے کھانے پینے کے انتظام کے لئے خرچ کرو، ان تینوں دیناروں میں سب سے افضل وہ دینار ہے جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرو ___ ذرا سوچئے! کون ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ نہیں کرتا، ہر انسان کماتا ہے، اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے۔ لیکن اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے یہ کام کر رہا ہوں، اس نیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ وہ اس ثواب سے محروم رہ جائے، اس لئے کہ یہ بھی نیکی ہے، لیکن اس وقت ہے جب یہ کام اس نیت سے کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے، تو اس نیت کی تبدیلی سے اور زاویۂ نگاہ کے بدل جانے سے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے نیکی قرار دیدیا۔

ہر کام دھیان اور صحیح نیت سے کرو

اسی طرح بے شمار ایسے کام ہیں، جن کو ہم اپنی عادت کے مطابق کرتے

ہیں، لیکن چونکہ دھیان نہیں ہوتا، اور اس کو دین کا حصہ نہیں سمجھتے، اور اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حصہ نہیں سمجھتے، اور اس کو اطاعت کے طور پر انجام نہیں دیتے۔ اس وجہ سے وہ سونا مٹی بن جاتا ہے ___ مثلاً جب ہمارے متعلقین اور رشتہ داروں میں کوئی بیمار ہو تو عام طور سے لوگ بیمار پرسی کے لئے جاتے ہی ہیں۔ لیکن ایک اس نیت سے جانا تا کہ میرے سر سے بوجھ اتر جائے، یا اس نیت سے جانا تا کہ میرا نام ہو جائے کہ یہ بھی بیمار پرسی کے لئے آیا تھا، اور ایک نیت سے جانا کہ چونکہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے تو جب تک وہ اس عمل میں مشغول رہتا ہے، اس وقت تک ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جب تک وہ یہ عمل کرتا رہتا ہے وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے ___ اتنی بڑی فضیلت حدیث میں بیان فرمائی ___ لہٰذا اگر کوئی شخص اس نیت سے بیمار پرسی کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو عظیم نیکی قرار دیا ہے یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اور اس کو ایک مسلمان کا حق قرار دیا ہے تو یہی عمل جو ہم آپ کرتے ہی رہتے ہیں، عبادت بن جاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک بہت بڑی نیکی شمار ہوتی ہے، اور اس کے نامہء اعمال میں اضافہ ہو جاتا ہے ___ بہر حال! بہت سے کام جو ہم لوگ عادۃً کرتے ہیں، ان کاموں میں نیت کا درست کر لینا ایسا نسخہء کیمیا ہے جو مٹی کو بھی سونا بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کام نیکی لکھا جاتا ہے ___

صفِ اوّل کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ایسے کریم کی بارگاہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا بڑا عظیم انعام عطا فرما دیتے ہیں، مثلاً کسی بھی مسلمان کو کسی بھی تکلیف سے بچانا اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے، مثلاً ایک شخص کا کسی کام کے کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن اس کو خیال آیا کہ اس کام سے فلاں شخص کو تکلیف ہوگی، چنانچہ اس نے وہ کام چھوڑ دیا، اس نیت سے جب وہ کام چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر بڑا عظیم اجر و ثواب ہے ____ اس کی مثال یہ سمجھئے کہ ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ صف اوّل میں نماز پڑھنا کتنی بڑی فضیلت رکھتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ پہلی صف میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے تو لوگ اس پر قرعہ اندازی کرنے پر مجبور ہو جائیں، اس لئے کہ ہر شخص یہ چاہے گا کہ میں صف اوّل میں نماز پڑھوں، اور سب لوگ تو صف اوّل میں آ نہیں سکتے، تو قرعہ اندازی کرنی پڑے، اور لوگ قرعہ اندازی کرنے پر آمادہ ہو جائیں، لیکن چونکہ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ صف اوّل کی کتنی فضیلت ہے، اس وجہ سے لوگ صف اوّل کی فضیلت حاصل کرنے کی کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے اندر صف اوّل پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ رحمتیں ہوتی ہیں ____ اتنی بڑی فضیلت ہے۔

دوسروں کی تکلیف کی خاطر صف اوّل چھوڑنا

لیکن ساتھ ہی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کا

بندہ صف اوّل میں شامل ہونے کو اس نیت سے چھوڑ دے کہ اگر میں صف اوّل میں شامل ہوں گا تو لوگوں کو تکلیف ہوگی، مثلاً یہ کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنی پڑیں گی، یا صف اوّل پہلے سے بھری ہوئی ہے۔ اگر میں درمیان میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو لوگوں کو تنگی اور تکلیف ہوگی، تو اب اس شخص کا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں صف اوّل میں نماز پڑھوں، ارادہ بھی تھا، لیکن صرف اس لئے نہیں پڑھ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی ____ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو صف اوّل میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں دوگنا ثواب ملے گا، اس لئے کہ اس نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کی خاطر اپنی صف اوّل میں نماز پڑھنے کی خواہش کو ترک کر دیا۔ لہٰذا اگر آدمی ذرا دھیان سے کام لے کہ میرے کسی عمل سے کسی مسلمان کو یا کسی بھی انسان کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے اور اس تکلیف سے دوسرے کو بچانے کے لئے آدمی اپنا طریقہ بدل دے، یہ بظاہر دیکھنے میں معمولی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بہت قدر و قیمت ہے۔

ہر کام نیکی کا ذریعہ بن سکتا ہے

اس لئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم ذرّہ برابر بھی کوئی نیکی کرلو گے تو وہاں آخرت میں جا کر تم اس کو دیکھو گے ____ ایسے بے شمار کام ہیں جن کو ہم نے محض غفلت کی وجہ سے، توجہ نہ ہونے کی وجہ سے لاپرواہی کی وجہ سے چھوڑا ہوا ہے، لیکن ذرا سا ان کی طرف دھیان کرلیں تو ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا چلا جائے ____ میری ایک مختصر سی کتاب ''آسان نیکیاں'' کے نام سے

ہے، اس کے اندر میں نے ایسے اعمال کو جمع کیا ہے، جن کو انجام دینے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، کوئی مشقت نہیں ہوتی، کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا، لیکن اگر آدمی ذرا سے دھیان سے وہ کام کرلے تو اس کے نامہءاعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوجاتا ہے، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی بناء پر اس کی مغفرت فرمادے، اور اگر ان اعمال کی عادت ڈال لی جائے تو نیکی کی خاصیت یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

گناہِ بے لذت کو چھوڑ دو

اس کے برعکس میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام ہے ''گناہِ بے لذت'' اس رسالے میں ایسے گناہ بیان کئے ہیں کہ وہ گناہ کے گناہ ہیں اور لذت کچھ نہیں ____ دیکھئے: بعض گناہ ایسے ہیں کہ جب انسان وہ گناہ کرتا ہے تو وہ لذت کے حصول کی خاطر کرتا ہے، اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس کی خاطر آدمی گناہ کرتا ہے، لیکن بعض گناہ ایسے ہیں، جن میں نہ کوئی لذّت ہے، نہ دنیا کا کوئی فائدہ، محض بے توجہی کی وجہ سے وہ گناہ کئے جاتے ہیں، میرے والد ماجد a نے اس رسالے میں ایسے گناہوں کی ایک فہرست دی ہے اور پھر ہر گناہ کی تفصیل بیان کی ہے، جن میں لذّت اور مزہ بھی کوئی نہیں، اور خوامخواہ کا گناہ اپنے سر لگ رہا ہے اور قرآن

کریم کی ان آیات میں یہ جو فرمایا کہ انسان ذرہ برابر بھی کوئی برائی کرے گا، اس کا انجام بھی دیکھ لے گا، اس کا مصداق بن جاتا ہے، میں درخواست کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص یہ کتابیں اپنے ساتھ رکھ لیں اور جو گناہ محض بے توجہی کی وجہ سے سرزد ہو رہے ہیں، ان سے کم از کم بچ جائیں، اور بے توجہی کی وجہ سے جو نیک اعمال چھوٹ رہے ہیں، کم از کم وہ انجام دیدیں اور جب آدمی دین کے راستے پر چلنے کے لئے قدم بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ قدم پھر رکتا نہیں ہے ___ بلکہ وہ قدم اور آگے بڑھتا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ شخص پورے دین پر مکمل عمل کرنے کی توفیق سے فیض یاب ہو جائے ___ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

❁❁❁

❁

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

وہ چھوٹے چھوٹے اعمال

جو باعث ثواب ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝۷ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝۸ (سورۃ الزلزال، آیات ۷۔۸)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: ان آیات کریمہ کی تشریح پچھلے کئی جمعوں سے چل رہی ہے، اور ان آیات کا جو بنیادی مقصد ہے وہ الحمدللہ گزشتہ جمعوں میں واضح ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی نیک کام بظاہر کتنا ہی معمولی معلوم ہوتا ہو، اس نیک کام کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے، اور کوئی برا کام بظاہر دیکھنے میں کتنا ہی معمولی معلوم ہوتا ہو، اس کو معمولی سمجھ کر اختیار نہیں کرنا چاہئے ــــ اس بات کی تفصیل اور تشریح پچھلے کئی جمعوں میں عرض کرتا رہا ہوں ــــ لیکن اس بات کی وضاحت سے ابھی دل بھرا نہیں ــــ

بعض نیک کاموں میں مشقت

اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ایک ایسا عظیم نسخہ ہے اگر اس کی اہمیت کا ہم لوگوں کو احساس ہو جائے تو یہ دنیا و آخرت کی صلاح اور فلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے ــــ اس لئے کہ نیکی کے بعض کام تو ایسے ہوتے ہیں جن کو کرنے میں کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، اور کچھ مشقت کرنی پڑتی ہے، یا روپیہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اگرچہ اس نیکی کا فائدہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کے آگے وہ محنت کوئی حقیقت نہیں رکھتی، لیکن پھر بھی انسان یہ سوچتا ہے کہ مجھ سے یہ محنت نہیں ہو سکتی ــــ مثلاً تہجد کی نماز ہے کہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھنا بڑی فضیلت کا کام ہے، لیکن اس میں کچھ محنت ہے، نیند

کی قربانی دینی پڑتی ہے، مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس وجہ سے ہم جیسے کم ہمت لوگ اس عبادت سے محروم رہتے ہیں ـــــ یا مثلاً صدقہ خیرات ہے، اس میں روپیہ خرچ ہوتا ہے، بسا اوقات آدمی سوچتا ہے کہ میرے پاس جتنی آمدنی ہے، اس میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں صدقہ خیرات کروں ـــــ حالانکہ اگر صدقہ نکالنا چاہے تو تھوڑا بہت نکال ہی سکتا ہے۔

نیکیوں میں اضافے کی ضرورت

لیکن بے شمار نیکیاں ایسی ہیں جن میں نہ محنت کرنی پڑتی ہے، اور نہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے، نہ کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، لیکن پھر بھی ہم ان نیکیوں کو بجالانے سے محروم رہتے ہیں، اور صرف اس وجہ سے محروم ہیں کہ ان کی اہمیت کا ہمیں احساس نہیں، ان کے فوائد کا احساس نہیں، ان کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور بے پروائی ہے اور اس بات کی ضرورت کا احساس نہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرنا کتنا ضروری ہے، نہ جانے کب موت آجائے، نہ جانے یہ زندگی کس وقت ختم ہو جائے، آج کل کے حالات میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ آدمی بیٹھے بیٹھے رخصت ہو جاتا ہے۔ وہاں جا کر تو یہ نیکیاں ہی کام آئیں گی، وہاں نہ روپیہ کام آئے گا اور نہ پیسہ کام آئے گا۔ نہ بھائی، نہ بہن نہ باپ، نہ ماں، نہ بیوی نہ شوہر کام آئے گا۔ لہٰذا نیکیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا جتنا ضروری ہے اتنی اہمیت ہمارے دلوں میں نہیں، جس کی وجہ سے نیکیوں کے وہ کام جن کے اندر نہ کوئی محنت ہے، نہ کوئی مشقت ہے، نہ کوئی خرچ ہے، ایسی نیکیوں سے بھی ہم محروم رہ جاتے

ہیں ____ جی چاہتا ہے کہ اس کی چند مثالیں دے کر سمجھایا جائے۔

خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے

مثلاً ایک حدیث شریف میں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرنا، یہ عمل صدقہ ہے، اور اس عمل پر بھی صدقہ کرنے کے برابر ثواب دیا جائے گا____ بتایئے: اگر کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت اپنے چہرے پر بشاشت کا اظہار کردے، اور چہرے پر خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرلے تو اس میں کیا محنت ہے؟ کیا مشقت ہے؟ کچھ بھی نہیں، لیکن چونکہ اس عمل کی اہمیت کا احساس نہیں اور یہ نہیں پتہ کہ یہ بھی ایک نیکی ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اس وجہ سے ہم اس نیکی سے محروم رہتے ہیں، اور بعض لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ ان سے ملاقات کرو تو ان کے چہرے پر کسی بشاشت کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ ترش رو ہو کر ملاقات کرتے ہیں، اگر وہ اپنے چہرے پر تھوڑا سا تغیر پیدا کرلیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صدقہ قرار دیا ہے تو ہر ملاقات پر صدقہ کا اجر وثواب اور اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ہر وقت تبسم ہوتا تھا

حضرت جریر t ایک صحابی ہیں، بڑے خوبصورت تھے۔ ان کو خوبصورتی

اور حسن جمال کی وجہ سے ''یوسف ثانی'' کہا جاتا تھا ____ وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا تو اسلام لانے کے بعد سے لے کر آخر دم جتنی بار حضور اقدس ﷺ سے میرا سامنا ہوا، ہمیشہ حضور اقدس ﷺ کے چہرے پر تبسم ہی دیکھا۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے آتا تو آپ ﷺ تبسم فرماتے، جس سے دوسرے کا دل خوش ہو جائے، اور یہ ایسی نیکی ہے کہ ایک دن میں جتنی مرتبہ بھی انسان اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے ملے گا تو ہر مرتبہ وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، اور اتباع سنت کا ثواب اس کو ملے گا، اور اس کے نتیجے میں آپس میں محبتیں پیدا ہوں گی۔

کوئی دنیاوی فائدہ مطلوب نہیں

اسی طرح ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی انسان سے اللہ کی خاطر محبت کرنا کہ اس سے کوئی پیسہ نہیں چاہئے، اس سے کوئی دنیاوی فائدہ مطلوب نہیں، اس سے اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، صرف اللہ کی خاطر اس سے محبت کرتا ہوں ____ اور اللہ کے خاطر محبت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً ہم کسی سے دین کا علم حاصل کرتے ہیں، اب اس وجہ سے اس سے محبت ہو کہ اس سے مجھے دین کا علم حاصل ہو رہا ہے، یہ اللہ کے لئے محبت ہے ____ یا مثلاً کوئی آدمی ہے، اگرچہ براہ راست اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن وہ نیک آدمی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ ہے، لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے ہیں، اس سے محبت صرف ان وجوہات کی وجہ سے ہوگئی، اور اللہ کی خاطر اس سے محبت ہوگئی ____

اللہ کیلئے محبت کے بدلے میں عرش کا سایہ ملیگا

یا مثلاً اللہ کے خاطر محبت ہونے کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ میرا مسلمان بھائی ہے، یہ صاحب ایمان ہے، اس لئے اس سے محبت ہے، اور میری اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، میرا اس سے کوئی مفاد اٹکا ہوا نہیں ہے، لیکن مسلمان ہونے کے ناطے میں اس سے محبت کرتا ہوں، یہ بھی ''حب فی اللہ'' ہے، اور اس کا بڑا عظیم ثواب ہے___ اور اس کا اتنا عظیم ثواب ہے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو مسلم خولانی a ایک تابعی بزرگ ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل t جو حضور اقدس e کے بڑے چہیتے صحابی ہیں، وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابو مسلم خولانی a ان کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت! مجھے آپ t سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت ہے، حضرت معاذ t نے ان سے فرمایا: ذرا سوچ سمجھ کر کہو کہ کیا واقعی تم مجھ سے اللہ کی خاطر محبت کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، میں اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں___ پھر کہا: میں تم سے سچ پوچھتا ہوں، تم واقعی مجھ سے اللہ کے لئے محبت کرتے ہو؟ جب تین مرتبہ انہوں یہی جواب دیا، تو اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل t نے فرمایا کہ میں نے تم سے بار بار اس لئے پوچھا کہ میں نے ایک حدیث نبی کریم ﷺ کی سنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ دو آدمی جو صرف اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے، اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایسے لوگ قیامت کے روز نور کے ممبر پر ہوں گے۔ اس لئے

میں تم کو خوشخبری سناتا ہوں کہ تم نے یہ جو محبت کا اظہار کیا ہے کہ میں اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی ہے۔

مجھے تم سے اللہ کے لئے محبت ہے

ساتھ ہی ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت ہو تو اس کو بتا بھی دو کہ مجھے تم سے اللہ کی خاطر محبت ہے، اس سے جانبین کی محبت میں اضافہ بھی ہوتا ہے ____ اب بتائیے کہ یہ عمل کہ کسی سے اللہ کی خاطر محبت کرنا، اس عمل میں نہ کوئی محنت ہے، نہ کوئی مشقت ہے، لیکن اس کی وجہ سے کتنی بڑی عظیم فضیلت حاصل ہو جائے گی کہ قیامت کے روز عرش کے سائے میں اللہ تعالیٰ جگہ عطا فرمائیں گے ____ عمل چھوٹا سا، لیکن اجر و ثواب اتنا عظیم ہے، اور یہ عمل فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ۝ میں داخل ہے۔

تسلّی کا کلمہ کہہ دینے پر اجر و ثواب

یا مثلاً کسی مسلمان سے تسلّی کا کوئی کلمہ کہہ دینا، کسی شخص پر کوئی مصیبت آ گئی، اس کو کوئی تکلیف پیش آ گئی، یا اس کو کوئی غم یا صدمہ پہنچ گیا، آپ نے اس کو تسلّی دینے کے لئے کچھ کلمات کہہ دیئے تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ یا غم زدہ کو تسلی کے کلمات کہہ دے تو جتنا اجر و ثواب اس شخص کو اس تکلیف پر ملے گا، اتنا ہی ثواب تسلی دینے والے کو بھی ملے گا ____ اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مسلمان کو دنیا میں جو بھی کوئی

تکلیف پہنچتی ہے صدمہ، تشویش، غم وغیرہ تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس مسلمان کے گناہ معاف فرماتے ہیں، اور اگر اس کے گناہ نہیں ہوتے تو پھر اس کے درجات بلند فرماتے ہیں، اس پر اس کو عظیم اجر ملتا ہے ___ اب اگر کسی نے اس تکلیف زدہ کو کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا تو اس پر اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا ثواب اس تکلیف زدہ شخص کو ملے گا ___ اب تسلی دینے میں کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، کوئی محنت اور مشقت اٹھانی نہیں پڑتی ___

دوسروں کو تکلیف سے بچانے پر اجر و ثواب

اسی طرح کسی شخص کو کسی تکلیف سے بچا دینا، یعنی اپنے عمل سے اس بات کا اہتمام کرنا کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچ جائے، مثلاً راستہ چلتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا کہ میرے وجود سے دوسرے گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، تو کسی انسان کو بلکہ کسی جانور کو بھی تکلیف سے بچانے پر اللہ تعالیٰ عظیم اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔

غلط جگہ پر پارکنگ کرنا

اب آج کل ٹریفک کے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ یہ قوانین اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ ہر شخص ان قوانین پر عمل کرتے ہوئے گاڑی چلائے، اور کسی شخص کو کوئی تکلیف نہ ہو ___ لیکن آپ نے اپنی گاڑی لے جا کر ایسی جگہ کھڑی کر دی جس کی وجہ سے لوگوں کو گزرنے میں دشواری پیش آئی، یا دوسری گاڑیوں کے گزرنے کا راستہ بند ہو گیا، یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ کسی بھی

انسان کو ناحق تکلیف پہنچانا یہ گناہ کبیرہ ہے، جیسے شراب پینا، زنا کرنا، چوری کرنا گناہ کبیرہ ہیں ــــــ اگر کوئی شخص یہ کام کرے گا تو وہ گناہ کا کام کرے گا۔

پارکنگ کیلئے مناسب جگہ کی تلاش پر اجر وثواب

لیکن افسوس ہے کہ ہم لوگوں نے دین کو صرف نماز روزے کی حد تک محدود کرلیا ہے، اور مسجد اور مدرسہ کی حد تک محدود کرلیا ہے، اب معاشرتی زندگی میں ہم ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں، اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اگر آپ تھوڑا سا وقت اس کام پر لگادیں کہ میں اپنی گاڑی کھڑی کرنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کروں، جہاں کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو اس نیت سے جب ایک دو منٹ خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو اجر وثواب عطا فرمائیں گے، انشاء اللہ۔

بڑی مساجد کے باہر غلط پارکنگ

میں اکثر و بیشتر بڑی مساجد میں دیکھتا ہوں جہاں گاڑیاں زیادہ آتی ہیں، اور وہاں کسی کا وعظ یا تقریر ہوتی ہے تو بعض لوگ ایسی جگہ پر گاڑیاں کھڑی کرجاتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی گاڑی نکالنا چاہے تو اس کو راستہ نہیں ملتا، اس کے نتیجے میں بار بار مائیک کے ذریعہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ فلاں نمبر کی گاڑی غلط جگہ پر کھڑی ہے، اس کو وہاں سے ہٹالیں۔ اب وہ شخص مسجد میں بیٹھ کر وعظ تو سن رہے ہیں، دین کی بات سن رہے ہیں۔ لیکن لوگوں کا راستہ بند کرنے کا گناہ

کر کے آئے ہیں۔ اس دینداری سے کیا حاصل، کیا فائدہ؟ اگر اس کا لحاظ رکھیں کہ لوگوں کو تکلیف سے بچایا جائے تو چند منٹ خرچ کرنے سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے، اور اس پر آپ کو اجر وثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

بجلی ضائع ہونے سے بچانا نیکی ہے

آج کل بجلی کی قلت کا رونا رویا جا رہا ہے، اور بجلی نہ آنے کے احتجاج میں لوگ سڑکوں پر ٹائر جلا رہے ہیں، اور کبھی کسی گاڑی کو آگ لگا دی، کبھی کسی کی دکان جلا دی، اور کبھی لوگوں کا راستہ روک دیا۔ اس طریقے سے احتجاج میں کیا فائدہ؟ یہ تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بجلی کا انتظام کرے، اپنی نااہلی کی وجہ سے اس نے مسلمانوں کو اس مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ___ یہ حکومت کا فعل ہے ___ لیکن ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ بجلی کا کتنا ضیاع ہمارے ملک میں ہو رہا ہے، اگر کسی جگہ بلاوجہ بجلی ضائع ہو رہی ہے اور آپ نے اس خیال سے اس کو بند کر دیا کہ یہ میری قوم کی دولت ہے اور میں اس دولت کو ضائع ہونے سے بچانا چاہتا ہوں، اور لوگوں کو تکلیف سے بچانا چاہتا ہوں، تو صرف یہ ایک سوئچ کو آف کر دینا ایسا عمل ہے جس پر آپ کو اجر وثواب ملے گا، اور آپ کا یہ عمل ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝'' میں داخل ہے۔

بجلی کے استعمال کو کم کرنا بھی نیکی ہے

یا مثلاً آپ نے سوچا کہ آج پوری دنیا بجلی کی قِلّت کی وجہ سے بلبلا رہی

ہے، کتنے لوگ ہیں جن کا ہسپتالوں میں صرف اس وجہ سے علاج نہیں ہو پاتا کہ بجلی چلی گئی ہے، تو میں اپنی حد تک بجلی کے استعمال کو جتنا کم کرسکتا ہوں، کم کرلوں، یہ عمل اگر آپ اس نیت سے کریں گے کہ میری قوم کو فائدہ پہنچے، میرے ملک کو اس سے فائدہ پہنچے، عوام کو اس سے فائدہ پہنچے، تو اس پر آپ کو اجر و ثواب ملے گا۔

بجلی چور کو چوری سے بچانا نیکی ہے

یا مثلاً آپ نے دیکھا کہ بجلی چوری ہو رہی ہے، اور لوگ چوری کر کے بجلی حاصل کر رہے ہیں اور بجلی کی چوری کی وجہ سے پوری قوم مصیبت میں مبتلا ہے اس پر اگر اس شخص کو کچھ فہمائش کر دیں کہ بھائی، یہ بجلی چوری کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس گناہ سے اپنے آپ کو بچاؤ، یہ فہمائش کا کلمہ آپ نے اس سے کہہ دیا اور اس کے نتیجے میں وہ شخص اس گناہ سے باز آ گیا۔ اس پر آپ کو بڑا اجر و ثواب حاصل ہوگا ــــــ

غرض! اگر آپ اپنے معاشرتی ماحول پر نظر ڈال کر دیکھیں تو نہ جانے کتنے کام ایسے ہیں، جو ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر بغیر کسی محنت اور مشقت کے انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا محض غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں ــــــ اور اگر یہ اصول اپنے دل و دماغ میں بٹھا لیا جائے کہ اپنی ذات سے کسی بھی دوسرے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے، بلکہ اپنی طرف سے

دوسرے کے لئے کوئی راحت کا سامان کریں گے ____

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا نیکی ہے

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کسی راستے سے گزر رہا تھا، تو راستے میں کوئی کانٹا یا جھاڑی پڑی ہوئی تھی، اس نے اس نیت سے اس کو راستے سے ہٹا دیا کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، حدیث شریف میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ:

شَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَغَفَرَ لَہٗ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی اتنی قدردانی فرمائی کہ اس کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی ____ اگرچہ وہ خود اس کانٹے سے بچ گیا تھا، لیکن اس نے یہ سوچا کہ اس کی وجہ سے گزرنے والے کو تکلیف ہوگی، لہٰذا میں اس کو راستے سے ہٹا دوں، تاکہ دوسرے لوگوں کے لئے راستہ صاف ہوجائے ____ اب یہ عمل صرف کانٹے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ جو چیز بھی دوسروں کے لئے تکلیف کا سبب بن سکتی ہو، اور آپ نے اس تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کردیا اور دوسرے گزرنے والوں کو راحت پہنچا دی، یہ بہت بڑی عظیم نیکی ہے، اور ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ ''میں داخل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے اور ہماری اس غفلت کو دور فرمائے، اور ہمیں اپنے دامن کو نیکیوں سے بھرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۝

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عمل کم ثواب زیادہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝۷ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝۸ (سورۃ الزلزال، آیات ۷۔۸)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: یہ سورۃ الزلزال کی آخری آیتیں ہیں، ان کا

بیان گزشتہ کئی جمعوں سے چل رہا ہے، امید ہے کہ آج انشاء اللہ اس کی تکمیل ہو جائے گی، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں ذرہ برابر کوئی نیکی کرے گا، تو وہ اس کو بھی آخرت میں دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرا برابر کوئی برائی کرے گا تو اس کو بھی آخرت میں دیکھ لے گا، اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ کوئی نیکی بظاہر دیکھنے میں کتنی معمولی نظر آرہی ہو، چھوٹی معلوم ہو رہی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہیں ہے کہ اس چھوٹی نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے پر کرم فرمادیں۔ لہٰذا کسی نیکی کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے۔

کسی نیکی کو نظرانداز مت کرو

ہماری زندگی میں بے شمار کام ایسے ہیں، جنہیں ہم کر سکتے ہیں اور اس کے کرنے میں کوئی محنت اور کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، صرف توجہ اور دھیان کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ہم اس کو معمولی سمجھ کر نظرانداز کرتے رہتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ اگر اس کو کیا تو کیا تیر مارلیں گے، حالانکہ نیکی چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، انشاء اللہ اس کا اجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور ملنے والا ہے، اس کی بے شمار مثالیں گزشتہ بیانات میں آپ حضرات کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی سنت

انہی میں سے ایک بات یہ ہے کہ احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی سنتوں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں عمل اس طرح انجام دیا، اور

دوسروں کو بھی اس طرح کرنے کی تلقین فرمائی، وہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے وہ عمل اس طرح انجام دے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے، مثلاً حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سنت بیان کی گئی ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوں تو پہلے دایاں پاؤں داخل کریں، اور جب مسجد سے باہر نکلیں تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں ___ اب یہ ایسی سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو اس میں کوئی محنت نہیں، کوئی مشقت نہیں، پائی پیسے کا کوئی خرچ نہیں ___ لیکن اگر غفلت کے عالم میں اس کے خلاف عمل کرلے گا تو اس نیکی سے اور اتباع سنت کی برکات سے محروم ہو جائے گا ___ مثلاً مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرنے کے بجائے بایاں پاؤں پہلے داخل کر دیا، تو اگرچہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ اس پر عذاب ہو، لیکن اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی نیت سے اس بات کو اپنا معمول بناتا کہ دایاں پاؤں پہلے داخل کرتا تو وہ اتباع سنت کی برکات، اس کے انوار اس کو حاصل ہو جاتے۔

اس وقت اللہ کا محبوب بن جاتا ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران: آیت ۳۱)

یعنی اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع

کرو، تو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا___ میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے کوئی کام کررہا ہو، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے___ اسی طرح مسجد سے باہر نکلتے وقت بایا پاؤں پہلے نکالے، دایاں پاؤں بعد میں نکالے___

جوتا پہننے کا مسنون طریقہ

سنت میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ جب آدمی جوتے پہن رہا ہو تو داھنے پاؤں میں جوتا پہلے پہنے، اور بائیں پاؤں میں بعد میں پہنے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت ہے، جب کوئی شخص مسجد سے نکل رہا ہے، تو مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالنا مسنون ہے، اور جوتے پہننے میں دایاں جوتا پہلے پہننا مسنون ہے، تو ان دونوں سنتوں پر ایک ہی وقت میں اس طرح عمل کیا جاتا ہے کہ پہلے بایاں پاؤں مسجد سے نکال کر جوتے کے اوپر رکھ لے اور پھر دایاں پاؤں مسجد سے نکال کر اس میں جوتا پہن لے، اور پھر بایاں پاؤں میں جوتا پہن لے، اس طرح دونوں سنتوں پر اکٹھا عمل ہو جائے گا اور دونوں سنتوں کا اجر وثواب اور اس کی برکات انسان کو حاصل ہو جائینگی ___ اب دیکھنے میں یہ معمولی کام ہیں، لیکن ''فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾'' میں داخل ہیں___ بہرحال! اس طرح کے کتنے کام ہیں جن کو ہم صرف بے توجہی کی وجہ سے ان کی برکات سے اور اتباع سنت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

بیت الخلاء میں جانے کا مسنون طریقہ

اسی طرح ''بیت الخلاء'' میں جاتے وقت سنت یہ ہے کہ پہلے بایاں پاؤں داخل کرو، اور داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھلو، ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ'' اور جب باہر نکلوتو دایاں پاؤں پہلے باہر نکالو، اب یہ معمولی سی بات ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے جو آدمی اس طرح کرنے کا عادی بن جائے گا، اس کو کتنا بڑا اجر وثواب حاصل ہو جائے گا، اور ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝'' میں داخل ہوجائے گا۔

پانی پینے کا مسنون طریقہ

اسی طرح پانی پیتے وقت سنت یہ ہے کہ 1 پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھے، 2 داھنے ہاتھ سے پانی پیئے، 3 بیٹھ کر پانی پیئے، 4 کم از کم تین سانس میں پانی پیئے، 5 اور پانی پینے کے بعد ''الحمدللہ'' پڑھے___ اب پانی پینا ایک عمل ہے، لیکن اگر آدمی ان پانچ باتوں کا خیال کرلے تو ایک پانی پینے کے عمل میں پانچ سنتوں پر عمل ہوگیا___ پانچ نیکیاں اس کے نامہء اعمال میں بڑھ گئیں، لیکن چونکہ اس طرف دھیان نہیں، توجہ نہیں، فکر نہیں، نیکیاں بڑھانے کا جذبہ نہیں، اس وجہ سے بعض اوقات ہم بے توجہی کے عالم میں پانی پی لیتے ہیں اور قصہ ختم ہو جاتا ہے___

صلہ رحمی کرنا سنت ہے

یہ سارے اعمال ایسے ہیں کہ ان کی طرف دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان پر اجر و ثواب عطا فرمادیں ____ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں ایسی ایسی ہدایات عطا فرمائیں ہیں کہ اگر انسان ان پر عمل کرے تو ان میں محنت اور مشقت اتنی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ان پر اجر وثواب بہت زیادہ ہے ____ مثلاً صلہ رحمی ہے، یعنی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا، اور ان کو جائز طریقے سے خوش کرنا، ان کے ہاں کوئی ہدیہ تحفہ، یا کھانا بھیج دینا، کسی معاملے میں ان کی مدد کر دینا، یہ سب صلہ رحمی میں داخل ہے ____ اور حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلہ رحمی کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، فرمایا کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے گا، کیونکہ قرآن کریم نے بھی صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی، اور اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن سلوک کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے جو لوگ کافر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں کفر میں تو تمہارا ساتھ کبھی نہیں دوں گا، بلکہ تمہیں ایمان کی دعوت دیتا رہوں گا، لیکن جہاں تک رشتہ داری کا تعلق ہے تو تمہارے ساتھ رشتہ داری کے حقوق ادا کرتا رہوں گا ____

رشتہ داری کے حقوق

رشتہ داری کے حقوق یہ ہیں کہ آدمی ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے، ان سے حسد نہ کرے، کسی موقع پر ان کو مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کر دے، کسی موقع پر ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہو تو حسن سلوک کرے، یہ سب صلہ رحمی میں داخل ہیں، ہم لوگ ان تمام کاموں کو بعض اوقات رسم کے طور پر انجام دیتے ہیں، اس وقت ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم یہ کوئی عبادت کر رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ قرآن کریم کے احکام پر عمل کر رہے ہیں اور یہ بھی نیکی کا عمل ہے۔

بدلہ چکانا کوئی صلہ رحمی نہیں

بعض اوقات یہ سب کام ہم ''بدلے'' کی نیت سے کرتے ہیں کہ دوسرا شخص میرے ساتھ جیسا معاملہ کرے گا، میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گا، اگر دوسرا شخص میرے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ ملتا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے ملوں گا، دوسرا اگر خوش اخلاقی سے نہیں ملتا، تو میں بھی اس سے خوش اخلاقی سے نہیں ملونگا ____ دوسرا اگر میرے کام آتا ہے تو میں بھی اس کے کام آؤں گا، اگر دوسرا میرے کام نہیں آتا تو میں بھی اس کے کام نہیں آؤں گا ____ یہ جو سب کچھ بدلہ کی نیت سے ہو رہا ہے، اس میں کوئی ثواب نہیں، کوئی اجر نہیں ____ اجر وثواب تو اس وقت ہے کہ دوسرا چاہے بدلہ دے یا نہ دے، دوسرا میرے ساتھ

جو بھی معاملہ کرے، لیکن میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کی خاطر اچھا سلوک کروں گا____

رشتہ توڑنے والے کے ساتھ جوڑو

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ مَنْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا

(بخاری شریف، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ دے، حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب دوسرے لوگ تو اس کے حقوق ادا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ حق تلفی کر رہے ہیں، اور یہ اپنی طرف سے حق ادا کر رہا ہے، اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کر رہا ہے____ یہ شخص ہے اصل میں صلہ رحمی کرنے والا۔

ایک صحابی کی صلہ رحمی

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں، اور وہ لوگ میرے ساتھ حق تلفی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہوں، وہ لوگ میرے ساتھ بد اخلاقی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتا ہوں، وہ لوگ میرے ساتھ لڑتے ہیں، ان حالات میں میں کیا کروں؟____ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر واقعی یہ بات ہے تو تم ان کو آگ کے انگارے کھلا رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے ____ یعنی جو لوگ تمہارے حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کے بدلے میں تمہارے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہیں، وہ لوگ اپنے لئے دوزخ، اور جہنم خرید رہے ہیں اور تم جو ان کے ساتھ حسن سلوک کر رہے ہو۔ اس کے نتیجے میں وہ لوگ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے، نہ ضرر پہنچا سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہیں اس حسن سلوک کا اجر ملے گا ____ لہٰذا ''بدلہ'' کی فکر نہیں ہونی چاہئے، بلکہ یہ فکر ہونی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آؤں، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کروں، ''بدلہ'' پیش نظر نہیں ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

اسی طرح پڑوسیوں کے بہت حقوق ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام میرے پاس آکر پڑوسیوں کے حقوق کی اتنی تاکید کرتے تھے کہ یہاں تک مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید شریعت میں پڑوسی کو وارث قرار دیدیا جائے گا کہ پڑوس کا وراثت میں بھی حصہ ہے ____ اتنی تاکید فرمائی ____ بہرحال! پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنے کی بڑی فضیلتیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اپنے پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھو، ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کرو ____ اگر وہ تمہارے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کر رہا ہے، لیکن تم اس

کے ساتھ حسن سلوک کرو ــــــ اگر تم اس کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ مل لو، اس کے حالات پوچھ لو، اگر وہ کسی پریشانی میں ہے تو اس کی تسلی کر دو، تو یہ ایسی نیکی ہے کہ بظاہر اس میں کوئی محنت اور مشقت نہیں، کوئی پیسے کا خرچ بھی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

آج پڑوس کا کوئی تصور نہیں رہا

افسوس ہے کہ آج کل قدریں اتنی خراب ہوگئی ہیں کہ پہلے زمانے میں پڑوسیوں کے ساتھ میل جول اور تعلقات ہوتے تھے، اب اس زمانے میں پڑوس کا کوئی تصور نہیں رہا، یہ ایک بنگلہ میں رہتا ہے، وہ دوسرے بنگلے میں رہتا ہے، اس کو اُس کی خبر نہیں، اُس کو اس کی خبر نہیں ــــــ لیکن اسلامی معاشرہ کا تقاضہ یہ ہے کہ پڑوسیوں کے درمیان آپس کے تعلقات خوشگوار ہوں، یہ خوش گوار تعلقات صرف دنیاداری نہیں ہے، بلکہ یہ عبادت ہے، اور یہ نیکی ہے اور ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝'' میں داخل ہے۔

پاس بیٹھنے والا پڑوسی ہے

ایک پڑوسی تو وہ ہوتا ہے جس کے گھر کے ساتھ آپ کا گھر ملا ہوا ہے، ایک پڑوسی وہ ہے جس کو قرآن کریم میں ''صاحب بالجنب'' فرمایا، یعنی وہ ہمیشہ کا پڑوسی نہیں ہے، بلکہ عارضی طور پر وہ تمہارے ساتھ ہوگیا، جیسے مثلاً آپ بس میں سفر کر رہے ہیں، اور ایک آدمی آپ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہے، قرآن

کریم نے اس کو ''صاحب بالجنب'' فرمایا، اس کے بھی حقوق ہیں، اور اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم ہے ___ یعنی اگر آپ ریل میں، یا جہاز میں، یا بس میں سفر کر رہے ہیں تو جو آدمی آپ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی ضروری ہے، اور کوئی ایسا عمل نہ کرنا چاہئے، جس سے اس کو تکلیف پہنچے، یہ ضروری ہے، لہٰذا اگر آپ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ایسا عمل کر رہے ہیں، جس سے دوسرے کو گھن آرہی ہے تو اس کے ذریعہ آپ اس کو تکلیف پہنچا رہے ہیں، لہٰذا اگر آپ اس کو راحت پہنچانے کی خاطر کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے اس کو تکلیف ہو تو یہ اس کا حق ہے ___

یہ بھی نیکی ہے

اسی طرح اگر آپ بس کے اندر سفر کر رہے ہیں اور بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے، کوئی بوڑھا آدمی بس میں سوار ہو گیا، اور آپ نے یہ سوچا کہ اس شخص کو کھڑے ہونے میں تکلیف ہوگی، آپ اپنی سیٹ سے کھڑے ہو گئے اور اسکو سیٹ دیدی کہ یہاں بیٹھ جاؤ، یہ بہت بڑی نیکی ہے، اور ''صاحب بالجنب'' کے حقوق کے نقطہ نظر سے قرآن کریم کے حکم کی اس میں تعمیل ہے کہ ایسا کرو، اگر آپ نے تھوڑا سفر کھڑے ہو کر گزار دیا اور تھوڑی سی تکلیف اٹھالی۔ اس کی وجہ سے آپ کے نامہ ءاعمال میں بہت بڑی نیکی کا اضافہ ہو جائے گا۔

جمعہ کی نماز کیلئے خوشبو لگا کر آؤ

اسی طرح اگر آپ کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، جیسے آپ حضرات یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں تو ہر شخص کے برابر جو دوسرا شخص بیٹھا ہے وہ اس ''صاحب بالجنب'' اس کو تکلیف سے بچانا اور اس کو راحت پہنچانا، یہ اس کا حق ہے، اسی لئے حکم یہ ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آؤ تو خوشبو لگا کر مسجد میں آؤ، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے کھیتوں میں اور باغوں میں کام کر رہے ہوتے تھے اور گرمی کا موسم ہوتا تو محنت اور مشقت کا کام کرتے ہوئے ان کو پسینہ آجاتا تھا، اور اسی حالت میں جب وہ مسجد میں آتے تو ان کے کپڑوں سے پسینہ کی بو آتی، جس کی وجہ سے آس پاس بیٹھنے والے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہوتی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ جب نماز جمعہ کے لئے آؤ تو غسل کر کے مسجد میں آؤ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمعہ کے دن خوشبو لگانے کو سنت قرار دیا، کیوں؟ اس لئے کہ جب میں مسجد میں جا کر بیٹھوں تو اس خوشبو سے ساتھ بیٹھنے والے آدمی کو راحت ملے، اس کو خوشی حاصل ہو، اور اس کو بدبو پریشان نہ کرے۔

ایسا شخص مسجد میں نہ آئے

اسی طرح شریعت نے یہاں تک حکم دیا کہ اگر کوئی ایسا بیمار ہے، یا اس کے جسم میں ایسا پھوڑا ہے، یا زخم ہے، جس سے بدبو اٹھ رہی ہے تو ایسے شخص کو مسجد

میں نہیں آنا چاہئے، وہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھے، کیوں؟ اس لئے کہ اگر ایسا شخص مسجد میں آئے گا تو اس کی بدبو کی وجہ سے برابر والے شخص کو تکلیف ہوگی ___ اس سے اندازہ لگایئے کہ شریعت نے کتنی باریک بینی کے ساتھ اس بات کا اہتمام فرمایا ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے ___ بظاہر دیکھنے میں یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن ان باتوں سے معاشرے کے اندر ایک تہذیب پیدا ہوتی ہے، اور معاشرے میں ستھرائی اور پاکیزگی آتی ہے، اور آخرت میں ان میں سے ہر عمل پر بڑا ثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم لوگ بے توجہی کی وجہ سے اور دھیان نہ کرنے کی وجہ سے ان نیکیوں کے ثواب سے اپنے آپ کو محروم کئے ہوئے ہیں ___

اپنی زندگیوں میں انکو داخل کرنے کی کوشش کریں

اس لئے آپ سب حضرات سے، اور خاص طور پر اپنے سے درخواست کرتا ہوں کہ اس قسم کے اعمال کا جائزہ لیں، اور اپنی زندگیوں میں ان کو داخل کرنے کی کوشش کریں ___ اسی موضوع پر میری ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے: ''آسان نیکیاں'' اس کتاب میں انہی نیکیوں کو جمع کیا ہے، جو آسان ہیں، اور جن پر عمل کرنے کے لئے کوئی بڑی محنت کرنی نہیں پڑتی، لیکن اس کا اجر وثواب بہت بڑھ جاتا ہے، اور یہ درحقیقت اس حدیث کی تفسیر ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا، وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ تَلْقٍ

یعنی کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو، چاہے وہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کا عمل ہو، اس کو بھی حقیر مت سمجھو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی نیکی ہے ___ ایسی نیکیوں کو میں نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، میری درخواست ہے کہ ہر مسلمان اس کو نہ صرف یہ کہ خود پڑھے، بلکہ اپنے گھر میں بھی بیوی بچوں کو سنائے اور ان کو اس بات کی ترغیب دے کہ وہ ان نیکیوں کو اپنی زندگی میں اپنائیں، اس کا نتیجہ انشاء اللہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور دوسرے یہ کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے، اس کے نتیجے میں اپنی زندگی میں خوشگوار تبدیلی، اور خوشگوار انقلاب آئے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○